تاریخ کا روشن پہلو

محمد الدین فوق

فہرست مضامین

باب دوم

ہندوؤں اور سکھوں کے تعلقات مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ

ظفر برادرس تاجران کتب ظفر منزل لاہور کا سلسلہ تالیفات نمبر ۲۵

تاریخ کا روشن پہلو

جسمیں

دکھایا گیا ہے کہ ہندوستانی تاریخ کے صفحات اب بھی ان زریں کارناموں سے مزین ہیں جن کا مطالعہ ہندوستان کی سب سے بڑی نامور اقوام (ہندو مسلم سکھ) کے دلوں سے زنگِ نفرت و کدورت دور کر کے ان کو یکجہتی اور اتفاق کا پیام دیسکتا اور اخوت شکنی تعصب۔ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی کو مٹا کر اخلاق فاضلہ اور امن و اتحاد کا علم بردار بنا سکتا ہے

مرتبہ
محمد الدین فوق

بار اول .. .. قیمت ۸ر

عرض حال

ہزار ہا خیالات ہیں جو دماغ کے جزودان میں بند رہتے ہیں۔ ان میں کئی تو خیال خام یا خیالی پلاؤ ہو کے رہ جاتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جو عملی شکل میں آ کے بھی ادھورے رہ جاتے ہیں۔ چند ایک ہی ایسے ہوتے ہیں جن کو باطن سے ظاہر نابود سے بود اور عدم سے وجود کی صورت نصیب ہوتی ہے۔ یہ خیال اور یہ ارادہ برسوں سے دماغ میں پھر رہا تھا کہ اہل ہند کو ان کی اپنی تاریخ کا روشن پہلو دکھایا جائے اور بتایا جائے کہ اس ملک میں جہاں آج بات بات پر بے اعتمادی اور لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے کبھی اعتماد و اعتبار اور محبت و اخوت کے خوشگوار تعلقات بھی تھے اور جو لڑائیاں مسلمانوں سکھوں اور ہندوؤں میں ہوتی رہی ہیں ان کی بناء مذہبی تعصبات پر نہ تھی بلکہ سیاسی اغراض ان سب کو خون خرابہ پر آمادہ کیا کرتی تھیں۔

لیکن ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ میں امسال حسب معمول گرمیوں میں کشمیر میں تھا اور بعض نامکمل مسودوں کے کاغذات ہمراہ لے گیا تھا۔ وہاں لاہور کی نسبت کچھ فرصت بھی مل جاتی ہے۔ چنانچہ منتشر یادداشتوں کو جمع کیا اور وہیں ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بمقام ہندواڑہ (شمالی کشمیر) ترتیب دینا شروع کیا۔

مجھے امید ہے کہ ہندو مسلم سکھ کے اتحاد ثلاثہ کے لئے میری یہ ناچیز مگر پُر از اخلاص کوشش پبلک میں قبولیت کا درجہ حاصل کرے گی۔ ہندوستان کی تاریخ اس قسم کے خوشگوار تعلقات و واقعات سے بھری پڑی ہے۔ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اور بھی بہت سے واقعات کا اضافہ ہوگا۔

۲۴ دسمبر ۱۹۲۹ء محمد الدین فوق

باب اوّل

مسلمانوں کے تعلقات ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ

بڈشاہ بادشاہ کشمیر کا سلوک ہندو رعایا کے ساتھ

زین العابدین عرف بڈشاہ شہنشاہ جلال الدین اکبر سے پچاسی سال پہلے کشمیر کا نامی بادشاہ گزرا ہے جسم پر حکومت کرنے کی بجائے وہ دلوں پر حکومت کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اور اس کے طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے قول اور عہد اور اپنی زبان پر سختی سے پابند تھا اور ہندوؤں کے مقدس مقامات اور ان کی قدیم عمارات کے ساتھ جس انصاف و مساوات کا سلوک اس نے کیا ہے اور مقابل ہندو ... اور باء کی جو سرپرستی اس نے کی ہے ہندو مصنفین نے اپنی کتابوں اور تاریخوں میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

ہم یہاں مختصر سا ذکر اس کے عدل و انصاف اور اس کے رواداری نہ برتاؤ کا کرتے ہیں۔

اس کے باپ کے زمانے میں اکثر ہندو تان کشمیر ترک وطن کرکے پنجاب دہلی

لکھنؤ۔ بنارس۔ الہ آباد اور ہندوستان کے دیگر مقامات پر چلے گئے تھے۔ اس نے بادشاہ ہوکر ان سب کو واپس بلوایا اور ان کی زمینیں اور جائدادیں واپس دیئے اور دیگر مراعات عطا کرنے کا اشتہار عام جاری کیا۔

اس کے باپ کے زمانہ میں کئی پنڈت بجبر و اکراہ مسلمان ہو گئے تھے بڈشاہ نے مذہبی آزادی کا اعلان جاری کرتے ہوئے مشتہر کیا کہ جو لوگ جبر سے مسلمان ہوئے ہیں اور وہ اپنے دین میں واپس آنا چاہتے ہیں وہ بے شک اپنا سابقہ دین اختیار کرلیں ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ کیونکہ اسلام مذہب کے معاملہ میں جبر و تشدد کو پسند نہیں کرتا۔ اس اعلان عام کا یہ نتیجہ ہوا کہ کئی نومسلم پنڈت جو بخوشی مسلمان نہیں ہوئے تھے پھر ہندو ہو گئے کشمیر کے مسلمان بادشاہ کشمیر کے ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا کرتے تھے بڈشاہ نے پہلے اس کی رقم کم کردی اور پھر رفتہ رفتہ بالکل معاف کر دیا۔

ہندوستان اور پنجاب سے جو کشمیری پنڈت مہاجر بادشاہ نے واپس بلوائے ان میں کئی ایسے تھے جو نہایت تنگدست تھے اور کئی ایسے تھے جو کشمیری نہیں تھے لیکن بادشاہ کی تعریف سن کر کشمیر آ گئے تھے۔ ان میں جو قابل و لائق تھے ان کو ملازمتیں بھی دیں جو سادھو اور جوگی تھے ان کے لیئے ایک لنگر خانہ قائم کیا جہاں سے ان کو دو وقت کھانا ملا کرتا تھا۔ سری نگر میں جوگی لنگر اسی لنگر خانہ کا نام ہے۔

بادشاہ نے مسلمان ہونے کے باوجود ایک ہندو مندر شنکر اچارج کی مرمت کرائی۔ مندروں کے ساتھ پنڈتوں کی تعلیم کے لئے پاٹ شالائیں مقرر کیں کشمیر میں گاؤ کشی عام ہوتی تھی اور ہرچند کہ پنڈتوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی۔ پھر بھی اپنی قلیل التعداد رعایا کی دلجوئی کے لیئے

گاؤکشی کی حکماً ممانعت کر دی۔

بادشاہ کے ایک لڑکے نے کسی برہمن عورت سے چھیڑ چھاڑ کی۔ بادشاہ کو خبر ہوئی وہ خود برہمن کے گھر گیا اور معافی مانگی۔ بادشاہ۔ امرناتھ جی اور شاردا جی کے تیرتھوں پر بھی جاتا رہا۔ وہاں اس نے مکانات بھی بنوائے پنڈتوں کو تشقہ لگانے کی ممانعت تھی۔ بادشاہ نے اس کی بھی اجازت دے دی۔

چونکہ پنڈت فارسی زبان کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے اور دفاتر و محکمہ جات کی زبان فارسی تھی۔ اس لئے بادشاہ نے ان کو ملک کی دفتری زبان کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔ ان کو وظیفے دیئے۔ ملازمتوں میں خاص رعایتیں دیں۔ چنانچہ بڈشاہ کے زمانے ہی میں پنڈتان کشمیر ملک کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہو گئے[1] تھے۔

ایک مسلمان بادشاہ کا سلوک ایک ہندو راجپوت لڑکی سے

احمد نظام شاہ بحری ۸۹۵ھ میں مملکت دکن کے تخت پر بیٹھا۔ عام لوگ شاید اس کے نام سے آگاہ نہ ہوں ان کے بتانے کے لئے یہی کافی ہے کہ ملکۂ دکن سلطانہ چاند بی بی جو اکبری فوجوں کے ساتھ جنگ کرتی رہی ہے اسی بادشاہ کی پڑپوتی تھی۔

نظام شاہ کے اوائل سلطنت کا ذکر ہے کہ قلعہ کاویل کی فتح کے بعد اسیرانِ شاہی میں سے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی پر ملک نصیر الملک وزیر کی نظر پڑی دیکھتے ہی بے قرار ہو گیا اور کئی دن تک اس کی محبت میں سرگردان رہا۔ آخر اس کے دام الفت سے بچنے کے لئے بادشاہ کو یہ تحفہ بے بہا نذر کر دیا۔ بادشاہ

[1] ان تمام باتوں کی تفصیل "شباب کشمیر" کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے ۱۲

نے کہ ان دنوں ابھی عین عالم شباب میں تھا اس حسینہ وجمیلہ لڑکی کو شبستان خاص میں داخل کرنے کی اجازت دے دی۔

رات کو بادشاہ اس کے پاس گیا اور پوچھا تو کس قوم اور قبیلہ سے ہے۔ لڑکی نے کہا۔ مذہب ہندو ہے قبیلہ راجپوت سے ہوں۔ زیادہ حالات میرے ماں باپ اور میرے خاوند سے معلوم ہو سکتے ہیں جو آجکل حضور عالم وعالمیان کے قیدیوں میں ہیں۔ بادشاہ نے حسن کی اس دیوی کی زبان سے شوہر کا لفظ سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا۔

"اے نار کو گلزار کر دینے والے تو نے مجھے نفس امارہ کی آگ میں جلنے سے بچا لیا۔ اے دلفریب حسن رکھنے والی لڑکی بیشک تو شاہی محلات میں رہنے اور میری بیگم کہلانے کے قابل ہے۔ مگر اب کہ تیرا خاوند زندہ ہے تنہائی میں تجھ سے بات کرنا بھی گناہ عظیم ہے۔ یہ کہہ کر لڑکی کو تسلی دی اور کہا رات کی رات صبر کرو۔ صبح تم کو تمھارے ماں باپ اور تمھارے خاوند کو زندان مصیبت سے رہائی دے دی جائے گی۔

بادشاہ یہ کہہ کر محل سے باہر چلا گیا۔ صبح کو نماز کے بعد سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ لڑکی اور لڑکی کے لواحقین کو اپنے روبرو بلایا اور انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا بلکہ ان کی سفارش سے کئی اور قیدیوں کو رہائی دی

تاریخ فرشتہ میں اس بادشاہ کی بہت سی نیک باتوں کا تذکرہ ہے اس کی حکومت دکن میں انیس ۱۹ سال تک رہی ہے۔ رعایا کیا ہندو کیا مسلمان سب اس پر دل وجان سے نثار تھی۔

بابر بادشاہ کا سلوک ہندوؤں سے سید سلطان نام ایک امیر بہرائچ میں تھے ایک ہندو عورت سے ان کی محبت ہوگئی اور چونکہ عشق کی تڑپ دونوں طرف

تھی اس لیئے وہ عورت بھی ان کے لیئے بے قرار رہنے لگی کچھ عرصہ کے بعد اس عورت نے اسلام قبول کر لیا اور سید سلطان بہرائچی کے عقد میں آگئی۔ عورت کے رشتہ دار بادشاہ کے پاس آکر داد خواہ ہوئے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے جن اقطاع میں بابر کی حکومت تھی ان میں بہرائچ بھی شامل تھا۔ بابر نے اپنے ایک قریبی عزیز محمد زمان کے سپرد یہ معاملہ کیا اور کہا۔ اگر سید کی خطا ہو تو اس کو سزا دو اور عورت کو ہندوؤں کے سپرد کرو۔ آئین ملک داری میں انصاف ہی وہ چیز ہے جس کے بل پر کوئی حکومت قائم و زندہ رہ سکتی ہے۔ محمد زمان نے جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ عورت مذہبی حقانیت نہیں بلکہ جذبۂ عشق کی وجہ سے برضا و رغبت مسلمان ہو کر اس کے حبالۂ عقد میں آئی ہے۔ اس نے یہی رپورٹ بابر کے پاس پیش کی۔ بابر نے کہلا بھیجا اگر مصالح ملکی کے لحاظ سے وہ عورت اس سے چھین کر اس کے رشتہ داروں کے حوالے کر دی جائے تو بہرائچ کے ہندو مسلمانوں میں بدمزگی نہ ہو سکیگی

محمد زمان نے یہ حکم سن کر سید کو کہلا بھیجا کہ اس عورت کو اس کے وارثوں کے حوالے کر دو۔ ورنہ میں خود تمہارے سر پر آرہا ہوں۔ سید اس کے جواب میں تلوار لے کر مکان سے باہر نکلا اور کہا وہ عورت مسلمان ہو چکی ہے وہ اب غیر مسلموں کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ میں اس سے شرعی نکاح پڑھا چکا ہوں اور اگر لڑائی ہی کا شوق ہے تو بسم اللہ ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گو

اس جواب سے محمد زمان پر رعب سا طاری ہو گیا اور عورت کے وارثوں نے بھی ملامت و بدنامی کے خوف سے اپنے دعوی سے دست برداری کا اظہار کیا۔ عورت بھی بالغ تھی اس لیئے اس سے زیادہ کوئی کارروائی نہ ہو سکی اور پھر بابر کا اطمینان کر دیا گیا کہ دونوں فریقین نے باہمی سمجھوتہ کر لیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ بابر کی نظروں میں بطور رعایا ہندو مسلمان یکساں حیثیت رکھتے تھے۔

ملخص از اخبار الاخیار فارسی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۲۳۱

بابر کی وصیت گائے کے متعلق اپنے ولی عہد ہمایوں کو

ملک معظم جارج پنجم کے ولی عہد (پرنس آف ویلز) نومبر ۱۹۲۱ء سے مارچ ۱۹۲۲ء تک ہندوستان کی سیاحت میں مصروف رہے۔ فروری ۱۹۲۲ء میں جب وہ بھوپال میں تھے تو بیگم صاحبہ بھوپال نواب سلطان جہاں بیگم نے شہزادہ کو ریاست کا کتب خانہ بھی دکھایا جس میں بعض قلمی نسخے نہایت نایاب و بیش قیمت ہیں شہنشاہ بابر کا اصلی وصیت نامہ بھی جو اس نے اپنے ولی عہد ہمایوں کے نام لکھا تھا اس کتب خانے میں موجود و محفوظ ہے جو شہزادہ انگلستان کو دکھایا گیا۔ یہ تاریخی دستاویز اپنے نفس مضمون کے لحاظ سے اس قدر اہم اور معنی خیز ہے کہ دوسرے بادشاہوں اور ہندوستانی والیان ریاست کے لیئے خضر راہ کا کام دیتی ہے۔ اصل وصیت نامہ فارسی میں لکھا ہے یہاں اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

وصیت نامہ مخفی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی

بنام شہزادہ نصیر الدین محمد ہمایوں ! اللہ تمھاری عمر دراز کرے۔

یہ وصیت نامہ سلطنت کی بنیاد کو پختہ کرنے کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ اے بیٹا ہندوستان کی سلطنت میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں شکر ہے خداوند کریم کا کہ اس نے ملک کی بادشاہت میرے حوالہ کی پس مناسب ہے کہ مذہبی تعصب سے دل کو صاف کر دو اور ہر ایک فرقہ کے مذہبی خیالات کے مطابق عدل و انصاف کرو۔ خاص کر گائے کی قربانی سے پرہیز کرو کیونکہ اہل ہند کے دلوں کو قابو میں لانے کا یہی نسخہ ہے۔ اور اس ملک کے لوگ مہربانی کرنے سے بادشاہ کی مہربانی کا دم بھرنے لگتے ہیں علاوہ

ل ملاحظہ ہو تاریخ حریت اسلام طبع دوم صفحہ ۳۹۲۔

ازیں جن مذاہب کے منادر و معابد تمھاری سلطنت میں ہیں ان میں سے کسی کو برباد مت کرو بلکہ عدل و انصاف سے حکومت کرو۔ کیونکہ بادشاہ کا استحکام رعیت پر اور رعایا کا امن و اطمینان سلطنت کی مضبوطی پر منحصر ہے

اسلام کی ترقی ظلم کی تلوار سے نہیں بلکہ احسان سے کرنی چاہیئے۔ اہل سنت اور شیعہ کے جھگڑوں سے بھی چشم پوشی کرو مختلف مذاہب کے افراد رعایا کو سلطنت کے عناصر اربعہ سمجھ کر ان کی حفاظت کرتے رہو تاکہ سلطنت کا جسم امراض سے محفوظ رہے۔ بہرحال تم حضرت امیر تیمور صاحبقران کے کارناموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ بادشاہت کے فرائض انجام دیتے رہو۔

شہنشاہ ہمایوں کی گائے کے گوشت سے نفرت

ذیل کا واقعہ شہنشاہ ہمایوں کے پرائیویٹ روزنامچہ تذکرۃ الواقعات مؤلفہ جوہر سے ماخوذ ہے جو فارسی زبان میں عہد ہمایونی کی مکمل تاریخ ہے جسے سب سے پہلے میجر چارلس سٹوارٹ نے ۱۸۳۲ء میں ترجمہ کرا کے لندن میں طبع کرایا۔ اس کے بعد بنگاباسی پریس کلکتہ میں مسٹر ابن راؤ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ اسی اشاعت کے صفحہ ۱۲۰ و ۱۲۱ پر جو واقعہ درج ہے اس کا مطلب الفاظ ذیل میں درج ہے۔

"شہنشاہ ہمایوں جب کابل سے واپسی پر پھر صف آرا ہوا تو اس کا بھائی شہزادہ کامراں خوفزدہ ہو کر مع بال بچوں کے پنجاب سے بھاگ گیا شہزادہ کی فراری کے بعد سراج خاں گورنر نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ قلعہ میں تشریف لے چلیئے۔ ہمایوں اس کی عرضداشت قبول کر کے قلعہ میں آیا اور دیوان خانہ میں رونق افروز ہوا۔ رات کا وقت تھا بھوک سے بے تاب ہو رہا تھا۔ رقیہ بیگم کو پیغام بھجوایا کہ کچھ کھانے کا انتظام

کیا جائے۔ بیگم نے گائے کے گوشت کی یخنی اور گائے کے کباب خاصہ بردار کے ہاتھ دیوان خانے میں بھجوا دیئے ہیں اس وقت جب شہنشاہ لقمہ لے رہے تھے انھیں معلوم ہو گیا کہ یخنی اور کباب گائے کے گوشت کے ہیں۔ فوراً لقمہ ہاتھ سے گرا دیا اور کہا :- بدنصیب کامران تیری تباہی کا یہی باعث ہے کہ تو لذت طعام کے لیئے گایوں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔ فرزندان بابر کے لیئے گائے کے گوشت سے پرہیز لازم ہے ہم چاروں بھائیوں کو ہی کرنا چاہیئے جو ہمارے والد بزرگوار کرتے رہے ہیں۔ جب بھیڑیں اور بکریاں مل سکتی ہیں تو اس جانور کو کیوں ضائع کرتے ہو۔

(از اخبار پارس لاہور ۱۳ مارچ ۱۹۲۸ء)

مغل شہنشاہ ہمایوں کی منہ بولی بہن رانی کرناوتی

ہندوؤں میں "راکھی کا تیوہار" رکھڑی باندھنے کا دستور قدیم سے چلا آتا ہے۔ یہ رسم موسم بہار میں منائی جاتی ہے اس کا منشا و مطلب یہ ہے کہ نامی اور شریف بہادروں کی سرپرستی و حفاظت حاصل کی جائے۔ کوئی کنواری یا بیوہ یا مظلوم عورت جو قریبی رشتہ داروں کی حمایت سے محروم ہو کسی بہادر شخص کو راکھی بھیج دیتی تھی۔ اگر وہ اس عطیہ کو منظور کر لیتا تو دونوں میں برادرانہ تعلقات ہو جاتے تھے اور راکھی بند بھائی اس طرح اپنی منہ بولی بہن کی حفاظت اور امداد کا ذمہ دار بن جاتا تھا اور اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ راکھی بند بھائی اپنی منہ بولی بہن کی حفاظت اور اعانت کے لیئے جان تک بھی قربان کر دیتا تھا مگر اسے اپنی منہ بولی بہن کی شکل تک دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوتا تھا۔

جب میواڑ ایک بیوہ رانی کرناوتی کی حکمرانی میں تھا جو اپنے معصوم

شش سالہ بچہ اودے سنگھ کے نام پر دادحکومت دے رہی تھی تو بہادر شاہ والیٔ گجرات نے عورت ذات پر حملہ کرکے میواڑ کو اپنے قبضہ میں لانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ رفتہ رفتہ وہ چتوڑ تک آپہنچا جب رانی کرناوتی نے کوئی صورت بچاؤ کی نہ دیکھی تو اس نے اپنی حفاظت کے لئے ہمایوں سے زیادہ اور کسی کو طاقت ور اور بہادر نہ پایا۔ اتفاق سے راکھی کے ایام تھے اس نے بادشاہ کو جو اس وقت بنگال میں تھا راکھی بھیج دی۔ اور اس طرح اسے اپنے کم سن بچے اور اس کے ملک کی حفاظت کا ذمہ دار قرار دیا۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اودے سنگھ کے دادا رانا سنگرام سنگھ نے ہمایوں کے باپ بابر بادشاہ کا اس سختی سے مقابلہ کیا تھا کہ بابر کو کافی عرصہ تک پریشان و ناکام رہنا پڑا تھا تاہم شریف النسب مغل شہریار نے مصیبت زدہ رانی کی عاجزانہ درخواست کو قبول کیا اور راکھی منظور کرکے اس کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ ہوسِ ملک گیری کے باوجود ان ایام سعید میں ہندو مسلم تعلقات کیسے خوش گوار تھے۔

یہ وہ ایام تھے جب وہ اپنے جانی دشمن شیر شاہ سوری سے برسرپیکار تھا۔ لیکن نتائج سے بے پروا ہو کر اس نے اپنی بہترین فوجی طاقت میواڑ کی حفاظت کے لیے روانہ کردی۔ اور بنگال کی لڑائی ملتوی کرکے خود بھی چتوڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹاڈ، راجستان میں جو راجپوتانہ کی ایک ضخیم و طویل تاریخ ہے یہ واقعہ بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ بہرحال جب ہمایوں میواڑ پہنچا تو چتوڑ پر بہادر شاہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے راجپوت سردار قتل ہو چکے تھے۔ رانی کرماوتی

نے اپنے نابالغ لڑکے اودے سنگھ کو اپنے بھائی راجہ بوندی کے پاس بھیج دیا تھا اور خود مع کئی سو رانیوں۔ کنیزکوں اور بہو بیٹیوں کے چتا پر جل کر راکھ ہو چکی تھی۔

اس ہیبت ناک منظر کی کیفیت سننے کے بعد ہمایوں نے اپنی منہ بولی بہن کا انتقام لینے کے لئے اپنی پوری قوت سے بہادر شاہ پہ حملہ کیا۔ اور جب تک اس کو شکست دے کر چتوڑ بلکہ سارے میواڑ کو اس کے حملوں سے نجات نہ دے دی چین نہ لیا۔

ایک تحریر ایسی بھی نظر سے گزری ہے جس میں لکھا ہے کہ ہمایوں نے کم سن اودے سنگھ کی کمر سے وہ مرصع تلوار باندھی جو بہادر شاہ سے چھینی گئی تھی۔ اس عرصہ میں شیر شاہ نے کافی فوج جمع کر لی تھی اور تاریخ شاہد ہے کہ اس نے ہمایوں کو کچھ عرصہ کے لئے ہندوستان جیسی عظیم الشان سلطنت سے محروم کر دیا تھا۔ تاریخ ایسے ایثار اور ایفائے عہد کی نظیر مشکل سے پیش کر سکے گی۔

مظلوم ہندو راجہ سے اظہار ہمدردی کر کے ایک مسلمان نے اپنی معافیات ضبط کرالیں

جب شیر خاں سوری نے راجہ چینتامن قلعہ دار رہتاس کو مع اسکے لڑکوں اور عزیزوں کے دھوکہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا تو شیر گھاٹی جو رہتاس کے علاقہ میں ہے کے سجادہ نشین صاحب پر اس فریب ہی کا غیر معمولی اثر ہوا۔ انھوں نے علی الاعلان اس ظلم کی مذمت کی۔ شیر خاں کو بھی یہ سب خبریں پہنچ رہی تھیں۔ جب وہ سارے ملک پر قابض ہو گیا اور شیر خاں سے شیر شاہ بن گیا تو اس نے خانقاہ کی معافی کے دونوں پرگنے جو بہار و بنگال کے افغان بادشاہ حاجی الیاس نے سجادہ نشین کو عطا کیے تھے اور

جن کی آمدنی تقریباً دو لاکھ روپے سالانہ تھی چھین کر شریک خالصہ کر لیئے۔[1]

مسلمان بادشاہ اور اس کے شہزادہ کی معذرت ایک ہندو بقال سے

شیر شاہ سوری کا بیٹا عادل خاں ایک دفعہ ہاتھی پر سوار ہو کر آگرہ میں کسی کوچہ سے گزرا۔ ایک ہندو کی بیوی اپنے مکان کے صحن میں برہنہ نہا رہی تھی جب شہزادہ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے پان کا بیڑا لے کر اس کی طرف پھینکا اور گھورتا ہوا چلا گیا۔

عورت صاحب عصمت تھی اس کو شہزادہ کی اس حرکت سے بڑا صدمہ پہنچا۔ خاوند سے ذکر کیا۔ اس نے داد فریاد کے لیئے دوڑ دھوپ کی۔ لیکن شہزادے کے مقابلہ میں کسی نے کچھ نہ سنا۔ آخر اس نے جرأت کی اور بادشاہ کے انصاف پر بھروسہ رکھ کر کسی نہ کسی طرح حقیقت حال اس سے عرض کی۔ بادشاہ نے معذرت کی اور حکم دیا کہ یہ بقال ہاتھی پر سوار ہو اور عادل خاں کی بیگم برہنہ اس کے سامنے آئے اور مستغیث اس پر پان کا بیڑا پھینکے۔ امراء وزراء نے منع کیا کہ شہزادہ کا قصور معاف ہو۔ اسپر بادشاہ نے کہا کہ میری عدالت میں فرزند اور رعیت برابر ہیں۔ معافی دینا نہ دینا بقال کے اختیار میں ہے۔ آخر شہزادہ نے بقال سے معافی مانگی اور اس کے معذرت قبول کرنے پر شہزادہ کی خلاصی ہوئی۔[2]

تھانیسر کے تالاب اور بت خانے کو بچانے کے لیئے علماء کا فتوےٰ

سکندر لودی نے ایام شاہزادگی میں سنا کہ تھانیسر میں ایک تالاب ہے ہندو اس کو متبرک سمجھتے ہیں اور اس میں غسل کرنا نجات ابدی تصور کرتے ہیں او

[1] از حیات فریاد مصنفہ خان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی مرحوم ف۔
[2] تاریخ حریت اسلام طبع دوم صفحہ ۲۶۹ - ۲۷۰

وہاں ایک بُت خانہ ہے جس کو انھوں نے عبادت خانہ بنا رکھا ہے۔ علماء سے اس بارہ میں فتوے پوچھا۔ انھوں نے کہا بُت خانہ ہاء قدیم کو ویران کرنا جائز نہیں ہے اور تالاب میں نہانے سے منع کرنا آپ کا یا کسی اور کا کام نہیں ہے۔ شاہزادہ نے خشم ناک ہوکر خنجر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ کفار کی جانب داری کرتے ہو؟! ایک عالم نے جوان سب کا سرکردہ تھا۔ آگے بڑھ کر کہا۔ کفار کی نہیں حق کی جانب داری کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ اظہار حق اور تعلیم اسلام کی اشاعت سے کوئی طاقت ہم کو منع نہیں کرسکتی۔

شہزادے کے پاس سوائے خاموشی کے اس کا کوئی جواب نہ تھا[1]

اورنگ زیب کی بنا کردہ ہندو ریاست آج بھی موجود ہے

بعض اخبارات اس بات کے جاننے کے باوجود کہ ملک میں اس وقت خوشگوار فضا پیدا کرنی کی بڑی ضرورت ہے اورنگ زیب عالمگیر کی تمام خوبیوں پر خاک ڈال کر اس کی فرضی برائیاں افسانوں کی صورت میں لکھتے اور ملک کی ذہنیت میں زہریلا مادہ پیدا کرنے کی ناپاک کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ اس موقع پر ہم راجہ برج نرائن آف پڈرونہ (یو۔پی) کی ایک تقریر جو ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو لکھنؤ کے کشتری جلسہ میں کی گئی ہے۔ کے چند الفاظ درج کرنے مناسب سمجھتے ہیں

آپ فرماتے ہیں:۔

[1] طبقات اکبری فارسی صفحہ ۱۷۰ تالیف ۱۰۰۱ھ بعہد اکبر بادشاہ۔

میرے بزرگ مغل بادشاہوں کے زمانے میں توپ خانوں کے افسر رہے ہیں جو دو ہزاری و پنجہزاری تک کا منصب رکھتے تھے لیکن شہنشاہ اورنگ زیب نے میرے بزرگوں رائے امرناتھ اور رائے جی کی خدمات سے خوش ہو کر تینتیس ۳۳ گاؤں ہم کو عطا کیے اور ہمیں ایک چھوٹی سی ریاست کا راجہ بنا دیا جس میں بعد ازاں ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ڈھائی لاکھ کشتری دیر ہمارے ساتھ ہو گئے۔ ہمارے رشتہ داروں اور کشتری کماروں کو ہماری یہ ترقی کانٹے کی طرح چبھنے لگی۔ انھوں نے ہمارے اور مغل بادشاہ کے درمیان بہت کچھ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر اورنگ زیب کے اخیر عہد تک ہمارے خاندان کے تعلقات مغل حکومت سے بدستور قائم رہے[۱]۔

ایک باکمال مسلمان فاضل کی رام بھگتی

اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں مرزا عبدالقادر بیدل فارسی زبان کے نامور اور باکمال شاعر گزرے ہیں۔ ایرانیوں نے ہندوستان کے فارسی شعراء میں صرف امیر خسرو اور مرزا بیدل ہی کو شاعر تسلیم کیا ہے۔ اس سے مرزا بیدل کی حقیقی عظمت کا پتہ لگ سکتا ہے۔

مرزا بیدل ایک دفعہ متھرا میں گئے۔ وہاں انھوں نے ایک ہندو بزرگ مہاتما کتھل داس کی تعریف سنی۔ ان کے پاس گئے۔ اور ان کی روحانیت سے لبریز باتوں سے بہت خوش ہوئے۔ متھرا میں چند دنوں کے لیے رہ گئے تھے لیکن مہاتما کتھل داس کی روحانی صحبتوں نے وہ سرور بخشا

---

[۱] از اخبار کشمیری لاہور مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۹ء

کر کئی دن تک وہاں رہے اور جب تک رہے ہر روز ان کے پاس جاتے رہے ۔ اس زمانہ میں مرزا بیدل کی عمر ساٹھ سال کی تھی ۔ سری رام چندر جی کے حالات جب انھوں نے خلق اللہ کے لیئے سبق آموز پائے ''نور گستان'' کے نام سے ایک فارسی کتاب نظم میں لکھی اور اس میں اپنے رام بھگت ہونے کا ثبوت دیا ۔ متھرا سے ہوکر آپ اجودھیا میں گئے جس نے ایسا فرزند پیدا کیا تھا کہ جس کو ہندوستان کی بیس بائیس کروڑ آبادی اپنا رہنما تسلیم کرتی بلکہ بھگوان کا درجہ دے رہی ہے ۔

آپ کی کتاب ''نرگستان'' سے چند اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں جن میں سری رام چندر جی کی اٹل بھگتی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

اگرچہ بیشترم ایں داستانے — بہ نثر آوردہ ام در یک زمانے
ہمیں خواہم کہ در نثر آورم باز — شوم زیں داستان پاک ممتاز
بہ عشق رام چوں بلبل سرایم — سراپا غنچۂ دل ہا کشایم
چو اندر مدھپوری گوشہ نشینم — گل از باغ بہار او بہ چینم
ندارم آرزوئے غیر در سر — فگندم بار ہا از سر سراسر
دریں عرصہ ہنر از پا فتادہ — سخن را مرتبہ از جا فتادہ
مروت از جہاں برداشتہ رخت — زمانہ طرح جور انداختہ سخت
دل من و داغ داغ است اندریں دور — کہ کس برکس نیارد یک نفس غور
ازاں رو گوشۂ بگرفتہ بودم — ز حرف نیک و بد وارفتہ بودم
دلی بودے کہ گتھل داس نامی — رفیق او ہم نشین و ہم کلامی
دل بیدل بجوش آمد بیک بار — کہ سازم نظم ذکر شاہ دلدار
ز ہندوستان بہ ایراں مے نگارم — کہ باشد در جہاں از یادگارم

بہ عشقِ رآم گویم ایں فسانہ — کہ باشد دلربا از ہر ترانہ
بود نامش فروغِ مشعلِ روز — بہر منزل بود نامش دل افروز

اس کے علاوہ آپ نے ایک نظم شاہنامہ فردوسی کے بحر میں لکھی ہے۔ اس کے چند اشعار ذیل میں دیئے جاتے ہیں ؎

نہ بُد رآم چوں دیگراں بادشاہ — بُدے مظہرِ ذاتِ پاکِ الٰہ
بود نامِ او کیمیا در جہاں — مس روح را کیمیا زِ نہاں
ہمہ وصف در ذاتِ آں ذوالجلال — جلالے و قہارے و ہم جمال
جلالش کند محو خود از جلال — ازاں پس نماید سراپا جمال
دگر نہ سبب مشکل افتادہ است — کہ عالم ز کفِ ہوش خود دادہ است
بہ شش دفتر ایں داستاں گفتہ ام — گہرہائے روشن ہمہ سفتہ ام
بنامِ دل آرامِ خود گفتہ ام — دُرِ بے بہا یک بیک سفتہ ام
کزاں ذکر با رآم خود در جہاں — شوم تا ابد خرم و شادماں
چو پرسیدم از عقلِ فرخندہ فال — کہ سازد بمن باز تاریخ سال
گہر سفت آں مرشدِ خاص و عام — بگفتا زہے نرگستانِ رآم
ندارم امیدے ز کس در جہاں — دریں دور جز ساقیٔ مہرباں

نماند است در ما بجز عشقِ رآم
چگویم ازیں بیشتر والسلام

(راجپوت گزٹ ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

اورنگ زیب کا فرمان کہ برہمنوں اور دوسرے پنڈتوں کے ساتھ تشدد نہ ہو

اکتوبر ۱۹۱۱ء میں انگلستان کے ایک مستشرق لفٹننٹ کرنل ڈی سی فلٹ کو بنارس جانے کا اتفاق ہوا جہاں انھیں اورنگ زیب کے ایک فرمان کی عکسی نقل

ہاتھ آئی۔ یہ فرمان حاکم بنارس ابوالحسن کے نام تھا۔ کرنل فلٹ نے یہ سن رکھا تھا کہ اورنگ زیب کے متعلق ہندوؤں کی اچھی رائے نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں "اس نے ہمارے بُت توڑے۔ ہمارے مندر ڈھائے اور ان کے کھنڈروں پر مسجدوں کو تعمیر کیا"

یہ کہانی بھی اسے سنائی گئی تھی کہ جب تک وہ سوامن زنار ہر روز جلا نہیں لیتا اسے کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ اس لیے کرنل فلٹ کو فرمان کی عکسی نقل پر اعتبار نہ آیا۔ چنانچہ بہت کوشش کے بعد انھوں نے خان بہادر شیخ محمد طیب کوتوال شہر کی امداد سے اصل فرمان بھی دیکھ لیا جس کی پشت پر شہزادہ محمد سلطان کی مُہر بھی ثبت تھی۔ یہ فرمان کرنل فلٹ نے انگلستان کے اخبارات میں چھپوا دیا ہے۔ یہاں فرمان کی اصل عبارت مع ترجمہ درج کی جاتی ہے۔

فرمان عالمگیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نشور لامع النور محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی ابن صاحبقران ثانی:

لائق العنایۃ والرحمۃ ابوالحسن بالتفات شاہانہ امیدوار بودہ بداند کہ چوں بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہمگی ہمت ہمت والانہمت و تمامی نیت حق طویت ما بر رفاہیت جمہور انام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام مصروف است و از روئے شرع شریف و ملت منیف مقرر چنین است کہ دیر ہائے دیرین بر انداخت نشود و بتکدہ ہا تازہ بنا نیابد۔ و دریں ایام۔ معدلت انتظام بعرض اشرف اقدس ارفع والا رسید کہ بعض مردم از راہ عنف و تعدی بہ ہنود سکنہ

قصبہ بنارس و برخے امکنۂ دیگر کہ نواحی آں واقع است و جماعت برہمناں سدنہ آں محال کہ سدانت بت خانہ ہائے قدیم کہ آنجا با آنہا تعلق دارد مزاحم و متعرض مے شوند و مے خواہند کہ ایناں را از سدانت آں کہ از مدت مدید بایشاں متعلق است باز دارند و ایں معنی باعث پریشانی و تفرقۂ حال ایں گروہ میگردد لہذا حکم والا صادر شود کہ بعد از ورود ایں منشور لامع النور مقرر کنند کہ من بعد احدے بوجہ بے حساب تعرض و تشویش باحوال برہمناں و دیگر ہنود متوطنہ آں محال نرسانند تا آنہا بدستور پیشیں بجا و مقام خود بودہ بجمعیت خاطر بدعاء بقائے دولت (خدا) داد ابد مدت ازل بنیاد۔ قیام نمایند۔ دریں باب تاکید دانند۔ بتاریخ ۱۵ر جمادی الثانیہ سنہ ۶۹ نوشتہ شد۔

خلاصۂ فرمان

شریعت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گو۔ نئے مندر نہیں بنائے جاسکتے۔ مگر پرانے مندروں کو توڑا بھی نہیں جاسکتا۔ ہمارے گوش گزار یہ خبر ہوئی ہے کہ بعض عمال ازراہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اس کے آس پاس کے دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور برہمنوں پر جو قدیم بت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہو کر مصیبت میں مبتلا ہو جائیں اس لئے تم (ابوالحسن) کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ پر اور اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد کے حق میں مصروف

دعا رہے۔ اس باب میں تاکید مزید جانو (۱۵ ر جمادی الثانی سنہ ۱۰۲۹ھ)

عالمگیر نے عامل جونپور کو سزا دے کر ایک برہمن کے ساتھ انصاف کیا

جون پور کے ایک برہمن کی ناکتخدا لڑکی عامل جون پور زبردستی اپنے نکاح میں لانا چاہتا تھا۔ بوڑھے برہمن نے جب کوئی صورت بچاؤ کی نہ دیکھی تو خود دہلی گیا اور عالمگیر کے حضور میں پہنچ کر واویلا کیا۔ عالمگیر نے بہت تیز سانڈنی منگوائی اس پر آپ سوار ہوا اور ایک دوسری سانڈنی پر بوڑھے برہمن اور اپنے مشیر خاص کو سوار کرایا اور یلغار کرتا ہوا چوتھے دن جونپور جا پہنچا بادشاہ کو دیکھ کر عامل کے چھکے چھوٹ گئے۔ عالمگیر نے اصل واقعہ کے دریافت کرنے میں بڑی چھان بین کی اور جب اسے تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ برہمن مظلوم اور عامل ظالم ہے تو عامل کو سزا دی اور لڑکی جو بوڑھے برہمن سے چھین کر کسی اور کے گھر میں رکھی گئی تھی برہمن کے حوالے کی اور کچھ زر نقد بھی اس کو عطا کیا۔ ("وکیل" ۱۰ ر مارچ سنہ ۱۹۲۸ء۔ بحوالہ "مشرق")

مسلمان صوبہ دار سرہند کا سلوک گرو گوبند سنگھ کی والدہ اور گرو صاحب کے بچوں سے

جب گورو گوبند سنگھ نے پہاڑی راجہ کو سکھوں کی مدد سے مطیع کر لیا تو سکھوں نے ان راجوں کو حد سے زیادہ تنگ کرنا شروع کیا۔ راجگان کوہی نے تنگ آ کر اورنگ زیب کو ان زیادتیوں کی درخواست بھیجی بادشاہ نے زبردست خان صوبہ دار لاہور اور شمس الدین خاں صوبیدار سرہند کو پہاڑی راجگان کی امداد اور ان کے لوٹے ہوئے مال کے واپس دلانے کے تاکیدی احکام بھیجے۔ چنانچہ آنندپور میں جہاں گورو گوبند سنگھ رہا کرتے تھے جنگ عظیم ہوئی۔ ساتھ ماہ کے محاصرے کے بعد جب سکھ خرچ خوراک سے عاجز ہو گئے تو گورو جی کی والدہ مائی گجری اپنے دو پوتوں

کے ہمراہ گوروجی کی اجازت کے بغیر قلعہ سے نکل کر اور کئی صعوبتیں اٹھا کر سرہند میں پہنچی۔ جہاں اپنے ایک ہندو معتقد کے ہاں قیام پذیر ہوئی میزبان نے دو دن تک تو اس راز کو پوشیدہ رکھا۔ آخر اس پر طمع غالب آئی اور اس نے اشتہاری انعام کے لالچ سے صوبہ سرہند کے دیوان کلجس رائے کے پاس جاکر گوروجی کی والدہ اور ان کے دو فرزندوں کی موجودگی کی اطلاع کر دی۔ دیوان کلجس رائے نے اپنے نائب دیوان سچانند کھتری کو ان کی گرفتاری پر مامور کیا۔ چنانچہ دونوں معصوم بچے اور اور گوروجی کی والدہ گرفتار ہو کر صوبہ دار سرہند کے حضور میں پیش ہوئے۔

اب یہاں جو سوال جواب صوبہ دار اور اس کے دیوان اور نائب دیوان میں ہوئے ہیں وہ ہم ایک ہندو مصنف (رائے بہادر کنھیا لال) کی تاریخ ہی سے لکھتے ہیں[۱]۔

دیوان کلجس رائے نے کہا۔ یہ لڑکے گورو گوبند سنگھ کے ہیں جو روز روشن میں رہزنی کرتا اور بادشاہ سے باغی ہو کر خود بادشاہ بننے کا ارادہ کر رہا ہے اس لیے ان کو قتل کر دینا ہی بہتر ہے۔

نواب سرہند۔ گنہگار (گرو) گوبند سنگھ ہے اس کے معصوم بچوں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ نہ وہ مجرم ہیں نہ ان کی دادی۔ نہ ان کے قتل کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ میں ان کے قتل کا حکم ہرگز نہیں دے سکتا البتہ جب تک (گرو) گوبند سنگھ کا معاملہ طے نہ ہو جائے۔ ان کو قید میں رکھنا انسب ہے

[۱] صفحہ نمبر ۸۴ تاریخ پنجاب۔

ایک اور ہندو مصنف مہاتما ستیہ دھاری جی "مرض تعصب کا علاج"
میں لکھتے ہیں:۔
نواب شیر محمد خاں نائب ناظم مالیر کوٹلہ بھی اس وقت موجود تھے انھوں
نے بھی کہا: "ان معصوم بچوں کا کیا گناہ ہے جو کچھ کیا ہے ان کے والد
نے کیا ہے۔ نیز نابالغ بچوں کا قتل خلاف شرع ہے"۔
پھر لکھا ہے کہ:۔
گنگارام نمک حرام رسوئیے کی احسان فراموشی اور دیوان سچانند
کھتری کی مخالفانہ رائے نے ان معصوموں کے قتل کا حکم صادر کرادیا[1]۔

گرو گوبند سنگھ جی کی پریشانی و فراری کے ایام میں مسلمانوں کا ان سے سلوک

آنند پورہ کے محاصرے[2] میں جب
گورو جی بہت تنگ ہوئے تو ان کی
والدہ بھی اپنے دو پوتے لے کر جان بچاکر بھاگ گئیں اور سکھ بھی ایک ایک
کرکے فرار ہونے لگے تو گورو جی بھی قلعہ چھوڑ کر باہر آ گئے۔ چمکور میں ان کے
دو صاحبزادے جوان کے ساتھ ہی تھے دشمن کی تلوار کی نذر ہو گئے۔ اور
بھی بہت سا نقصان ہوا۔ آپ جماعت کو موقع پاکر نکل گئے۔ اور جنگلوں اور
جھاڑیوں میں اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے قصبہ ماچھی واڑہ (لدھانہ)
میں پہنچ گئے۔ یہاں غنی خاں اور نبی خاں دو پٹھان تھے اور آپ کے ملنے
والوں میں تھے انھوں نے پہچان لیا۔ اگر وہ چاہتے تو آپ کو گرفتار کرکے
بیش قرار انعام کے مستحق ہو سکتے تھے لیکن ان دونوں بھائیوں نے یہ

[1] صفحہ نمبر ۷۵ و ۷۶؛

[2] چیت سمت ۱۷۶۱ بکرمی میں یہ محاصرہ ہوا؛

جانتے ہوئے بھی کہ ان کو پناہ دینا موت کو دعوت دینا ہے کئی دن تک اپنا مہمان رکھا جب ان کو راز کے افشا ہو جانے کا خطرہ ہوا تو انھوں نے گوروجی کو موضع بہلول پور میں قاضی پیر محمد کے پاس بھیج دیا۔ گوروجی نے فارسی زبان قاضی سے پڑھی تھی اور اس لحاظ سے وہ ان کے استاد بھی تھے۔ استاد نے شاگرد کو امان تو دی لیکن بڑا خائف تھا کہ صوبہ سرہند کی فوج جابجا گوروجی کی تلاش میں پھر رہی ہے۔ اگر یہ راز فاش ہو گیا تو میرے املاک بھی ضبط ہو جائیں گے اور میری جان بھی سلامت نہ رہے گی۔

اس لیئے اس نے ایک دن گروجی سے کہا کہ آپ اپنی ظاہری صورت بدل کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا شروع کر دیں ورنہ آپ بھی گرفتار ہو جائیں گے اور میری آبرو بھی برباد ہو گی۔ قاضی کے کہنے سے گروجی نے اپنے سر کے بال جو اوپچ کیئے ہوئے رکھتے نیچے کر لیئے اور سیاہ لباس پہنکر حاجیوں اور پیروں کی سی صورت بنالی۔ گروجی کے ہمراہ چار اور ان کے جان نثار تھے۔ ان میں دو تو مسلمان ہی تھے اور دو سکھ تھے ان کو (سکھوں کو) بھی سلمانوں کا بھیس اختیار کرنا پڑا۔

غرض اس طریق سے بہ تبدیل لباس ان کو مالوہ میں بھیجا گیا۔ غنی خان وغیرہ خود ہمراہ تھے۔ رستے میں جو کوئی پوچھتا کون بزرگ ہیں؟ تو غنی خاں کہتا اوچ شریف کے پیر صاحب اور ہمارے مرشد ہیں۔

گروجی کی اطاعت گزاری اور عالمگیر کا اعلان معافی

گروگوبند سنگھ جی نے آخر تنگ آکر اورنگ زیب عالمگیر کے نام ایک منظوم خط فارسی زبان میں لکھا جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:۔

"میرے چاروں لخت جگر قتل ہو چکے ہیں کوئی جگہ پناہ وامان کی نہیں جہاں بیٹھ کر میں اپنے معبود کی عبادت کروں۔ بادشاہی فوج میرے قتل کے درپے ہے اور گاؤں گاؤں میری تلاش ہو رہی ہے۔ اگر بادشاہ میرے خون سے درگزر رہے تو آیندہ اطاعت گزاری سے انحراف نہ ہوگا اور اگر میرے قتل ہی کا ارادہ ہے تو ایک فقیر کے قتل میں سوائے بدنامی کے کیا حاصل ہوگا۔

بادشاہ نے اس منظوم عرضداشت یا خط کا جواب کیا دیا ؟ تاریخ پنجاب کا ہندو مصنف لکھتا ہے "جب وہ عرضی بادشاہ کے گوشگزار ہوئی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر گوبند سنگھ فقیروں کی طرح رہے اور غارت گری اور کشت وخون سے باز آئے تو کوئی اس کا مزاحم نہ ہو۔ وہ جہاں چاہے سکونت رکھے۔

مہاشہ ستیہ دھاری جی اپنی تصنیف "مرض تعصب کا علاج" میں لکھتے ہیں "گرو جی کو اپنے خط کا جواب موضع ساتو کی تلونڈی میں ملا۔ بادشاہ کا جواب نہایت معقول تھا جس میں (گرو جی کے معصوم بچوں کی موت کی) غلطی پر معافی مانگی گئی تھی اور یہ درج تھا کہ میں نے کل حاکمان پنجاب کے نام فرمان جاری کر دیئے ہیں اور امید ہے کہ آیندہ آپ سے کوئی مقابلہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پھر گورو صاحب پر بادشاہ کی زندگی میں کبھی فوج کشی نہیں ہوئی۔

ستیہ دھاری جی ان سطور کے بعد لکھتے ہیں "اس سے یہ ثابت ہوتا

---

[1] صفحہ نمبر ۵۴؛

ہے کہ ان لڑائیوں کی وجہ مذہبی تفریق نہ تھی بلکہ کوئی غلط فہمی یا ذاتی اغراض تھیں"۔

ایک مسلمان مصنف و ایڈیٹر اپنی ایک تقریر میں گورو گوبند سنگھ جی کے بچوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے "چونکہ دیوان سُچا نند نے گورو جی کے لڑکوں کو مروا دیا تھا اس میں اسلام یا بادشاہ کا کوئی قصور نہ تھا اور نہ بادشاہ کا اس قسم کا کوئی حکم تھا اورنگ زیب نے اسی بات پر نواب سرہند کو معزول کر دیا تھا۔[1]

سلطنت کے معاملات میں عالمگیر کا سلوک غیر مسلموں کے ساتھ

شمس العلماء ذکا اللہ مرحوم تاریخ ہندوستان جلد نہم (زوال سلطنت تیموریہ) میں پروفیسر آرنلڈ کی کتاب دعوت اسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اورنگ زیب کو اس مضمون کی عرضی دی کہ دو شاہی نوکروں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر ہیں بادشاہ اس بنا پر برخاست کر دے کہ وہ کافر آتش پرست پارسی ہیں اور ان کی جگہ معتمد تجربہ کار مسلمانوں کو مقرر کرے۔

بادشاہ نے جواب لکھا سلطنت کے کاروبار میں مذہب کو دخل نہ دینا چاہیئے اگر عرضی دہندہ کی بات پر عمل کیا جائے، اور اس کو سلطنت کا دستور العمل بنا دیا جائے تو تمام غیر مسلم راجاؤں اور ان کی رعایا کا کہاں

[1] از تقریر شیخ محمد یوسف نو مسلم مصنف کتب متعددہ و ایڈیٹر نور جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے پینتالیسویں سالانہ جلسہ پر ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۹ء عیسوی کو پڑھی گئی۔

ٹھکانا ہو؟ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملنی چاہیئیں۔

راجپوت راجے مہاراجے اور عالمگیر اورنگ زیب

راجپوتوں کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اخیر وقت تک عالمگیر کے ساتھ فوجی مہمات میں شریک رہے اور مرہٹوں کو پامال کرنے میں وہ مسلمان افسروں کے داہنے ہاتھ تھے۔ راجپوتوں کی اصلی طاقت جودھ پور، جے پور اور اودے پور تھی۔ اودے پور کے دو شاہزادے خود عالمگیر کی فوج میں معزز عہدوں پر تھے اور اخیر وقت تک ساتھ رہے۔ چنانچہ ۴۳ھ جلوس عالمگیری میں ان میں سے اندر سنگھ دو ہزاری اور بہادر سنگھ کو ایک ہزاری و پانصدی کا منصب ملا! اندر سنگھ جس کو بعد میں راجہ کا خطاب بھی مل گیا تھا۔ دکن کی مہمات پر مامور ہوا اور نہایت وفاداری سے خدمات انجام دیتا رہا۔ مان سنگھ راٹھور جس کو شش ہزاری کا منصب حاصل تھا ۲۵ھ جلوس عالمگیری میں ذوالفقار خاں کے ساتھ دکن کی مہم میں اظہار وفاداری کرتا رہا۔ غرض مرہٹوں کی لڑائیوں اور دکن کی دوسری مہمات میں راجپوت راجے مہاراجے اور ان کی فوجیں اسی طرح نظر آتی ہیں جس طرح اور مسلمان قومیں بلکہ شکیبی شاعر نے اکبر کے زمانے میں جو کہا تھا ؎

چناں در عہد او احوال دیدم
کہ ہندو مے زند شمشیر اسلام

یہ شعر نہ صرف اکبر بلکہ عالمگیر کے زمانے میں بھی سچ تھا[۱]

[۱] اورنگ زیب عالمگیر مصنفہ مولانا شبلی صفحہ نمبر ۲۵

ابوالحسن تاناشاہ کا وزیر ایک دکنی پنڈت

ابوالحسن تاناشاہ قطب شاہ کے اولاد نرینہ نہ ہونے کے باعث حیدرآباد دکن کا فرمانروا بنا۔ سید مظفر نام ایک اولوالعزم امیر نے اس کو سلطنت دلانے اور بادشاہ بنانے میں نمایاں حصہ لیا تھا لیکن ابوالحسن نے اس کو معزول کر کے ناونا نام ایک برہمن کو وزارت کے عہدے پر مامور کیا۔ اور حکومت و سلطنت کے تمام اختیارات اس کو دے دیئے۔ اس کے تسلط و اقتدار کی یہ نوبت پہنچی کہ ابوالحسن کے سپہ سالار نے جس کا نام ابراہیم خلیل اللہ خاں تھا اور بڑی سطوت و امارت کا آدمی تھا اپنے نگینہ پر یہ شعر کندہ کرایا تھا؎

از التفات بادشاہ پنڈت روشن رواں
گشت ابراہیم سرِ لشکر خلیل اللہ خاں

مسلمان گورنران لاہور کے زمانہ میں ہندو اور سکھ دیوان اور مدار المہام

نادر شاہ ایرانی کے حملہ کے بعد ہندوستان میں مغل سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہو گئی تھیں محمد شاہ۔ احمد شاہ اور فرخ سیر کے زمانے میں تھوڑا بہت وقار قائم رہا۔ مگر ان ایام میں سکھوں نے چونکہ مار دھاڑ سے رعایا پر اپنا دبدبہ بٹھا لیا تھا اسلیئے پنجاب خصوصیت سے دو عملی۔ بد امنی و بے اطمینانی کا مخزن بنا ہوا تھا۔ لیکن باوجود اس کے صوبہ لاہور پر جو مسلمان گورنر مقرر ہوتا تھا اس کے دیوان یا نائب یا مدار المہام عموماً سکھ یا ہندو ہی ہوتے تھے۔ باہمی اعتماد و رواداری کا یہ سلسلہ کئی خانہ جنگیوں اور کئی انقلابات اور کئی بیرونی و اندرونی حملوں کے باوجود جاری رہا۔

لہ اورنگزیب عالمگیر مصنفہ مولانا شبلی مرحوم مطبوعہ رنگین پریس دہلی صفحہ ۴

ہم تاریخ پنجاب سے چند مثالیں اس رواداری کی ذیل میں درج کرتے ہیں :-

فرخ سیر کے زمانے میں نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ جس نے بندا بیراگی اور اس کی عظیم جماعت کے استیصال میں نمایاں کام کیا تھا صوبہ لاہور کا گورنر مقرر رہا۔ دیوان لکھپت رائے[1] اس کا دیوان[2] اور مشیر خاص تھا۔

نواب عبدالصمد خاں کی تبدیلی ملتان کے بعد اس کا بیٹا نواب زکریا خاں لاہور کا گورنر ہوا۔ اور اس نے بھی دیوان لکھپت رائے کو بدستور اپنا دیوان رکھا۔

زکریا خاں ۱۱۵۸ھ کے بعد جب انتقال کر گیا تو اس کا بڑا بیٹا یحییٰ خاں پنجاب کا جس کو اس زمانے میں صوبہ لاہور کہتے تھے حاکم بنا۔ دیوان لکھپت رائے اس کے عہد میں بھی بدستور اپنی دیوانی پر قائم رہا۔ اس کا بھائی دیوان جسپت رائے ایمن آباد کا فوجدار تھا۔ جب سکھوں کا ایک گروہ تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر جموں کے پہاڑوں کی طرف جا رہا تھا تو جسپت رائے کو ان کی سرکوبی کا حکم ہوا۔ چنانچہ ایمن آباد ہی کے قریب لڑائی ہوئی اور دیوان جسپت رائے اسی لڑائی میں اپنے مسلمان آقا کی خاطر قربان ہو گیا۔

---

[1] دیوان لکھپت رائے و جسپت رائے کی حویلی آج بھی لاہور شاہ عالمی دروازے کے اندر بازار ٹھٹھاریں کنجر چلہ کے موڑ پر موجود ہے۔

[2] تاریخ پنجاب مصنفہ رائے بہادر کنھیا لال صفحہ نمبر ۶۵

نواب یحییٰ خاں کا ایک چھوٹا بھائی حیات اللہ خاں عرف نواب شاہ نواز خاں تھا وہ بادشاہ کی طرف سے صوبہ ملتان کی نظامت پر سرافراز تھا وہ ورثہ پدری کی تقسیم کے ارادے سے مع فوج کے لاہور کی طرف آیا شالامار باغ کے قریب کیمپ قائم کیا۔ جہاں اس کے باپ کی قبر تھی۔ اپنے معتبر دیوان صورت سنگھ کی معرفت بھائی سے گفت وشنید شروع کی چونکہ کوئی فیصلہ نہ ہوا ایک مختصر سی لڑائی کے بعد یحییٰ خاں اور اس کا دیوان لکھپت رائے دونوں قید ہو گئے۔ اور پنجاب کی حکومت پر نواب شاہ نواز خاں قابض ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد دیوان کوڑامل جو نظامت ملتان کا دیوان تھا۔ انظامت لاہور کا بھی دیوان مقرر ہو گیا۔ آخر جب احمد شاہ درانی پنجاب پر حملہ آور ہوا تو شاہ نواز خاں بھاگ کر دہلی چلا گیا۔ میر مومن خاں اور دیوان لکھپت رائے نواب یحییٰ خاں کے مصاحب و دیوان تھے۔ ان کو بادشاہ نے قید سے رہائی دی اور فوج کو حکم دیا کہ چونکہ ان دونوں کے حسن انتظام سے رعایا خوش رہی ہے اس لیئے اندرون شہر کو بالکل نہ لوٹا جائے۔

احمد شاہ درانی نے اس موقع پر پنجاب کی حکومت و نظامت دیوان لکھپت رائے کے سپرد کی اور میر مومن خاں کو اس کا نائب اور دیوان مقرر کیا۔ مگر جب احمد شاہ کابل کو واپس چلا گیا۔ تو احمد شاہ بادشاہ دہلی نے جو محمد شاہ رنگیلے کا بیٹا تھا۔ لاہور کی حکومت اپنے وزیر نواب قمرالدین کے بیٹے میر معین الملک کو دے دی اور لکھپت رائے اور میر مومن خاں بے دخل کر دیئے گئے۔ نواب یاسر خاں جو درانی بادشاہ کے پروردہ تھے

معین الملک علاقہ ملتان پر بھی قابض تھا اور وہاں اس کی طرف سے اس کا نائب دیوان کوڑا مل حکومت کیا کرتا تھا۔

بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ میر معین الملک بادشاہ کی اطاعت سے پھر گیا جب بادشاہ (احمد شاہ بادشاہ دہلی) کو اس بغاوت کی خبر ہوئی تو شاہ نواز خاں کو ایک جرار فوج کے ساتھ ملتان پر قابض ہونے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ کوڑا مل وہاں سے بے دخل ہو کر لاہور آ گیا اور معین الملک سے کہنے لگا کہ اگر مجھے فوج دی جائے تو میں ملتان کا قبضہ واپس لے سکتا ہوں۔ دیوان کوڑا مل کو فوج ملی اور وہ ملتان گیا اور شہر کا محاصرہ کر کے چھ ماہ تک لڑتا رہا۔ آخر شاہ نواز خاں ایک لڑائی میں مارا گیا اور دیوان کوڑا مل شہر میں داخل ہو گیا۔ میر معین الملک نے اس خدمت گزاری کے صلہ میں دیوان کو راجہ کا خطاب دیا اور ملتان کی نظامت بھی اسی کے حوالے کر دی۔

احمد شاہ درانی کے گزشتہ حملۂ پنجاب میں میر معین الملک نے اسے نذرانہ اور خراج دینا کر کے صلح کر لی تھی۔ لیکن جب سال کے بعد خراج نہ بھیجا تو احمد شاہ پھر پنجاب آیا۔ اس نے اپنے سفیر سکھ جیونؔ کھتری کو معین الملک کے پاس زر خراج کی وصولی کے لیے بھیجا لیکن وہ لیت و لعل سے کام لیتا رہا۔ آخر دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ راجہ کوڑا مل حاکم ملتان اور ادینہ بیگ خاں حاکم جالندھر بھی معین الملک کے حکم سے مع

ؔ یہی سکھ جیون راجہ سکھ جیون کے نام سے کشمیر پر گئی سال تک احمد شاہ درانی کی طرف سے حکومت کرتا رہا ہے۔

افواج لاہور میں موجود تھے۔ راجہ کوڑامل نے ایک خونخوار لشکر کے ساتھ افغانوں پر حملہ کیا مگر عین لڑائی کے وقت اس کے ہاتھی کا پاؤں ایک گڑھے میں جا پڑا جس کے صدمہ سے ہاتھی اور سوار دونوں گر پڑے۔ ان کے گرتے ہی ایک افغان سوار بجلی کی طرح تلوار لے کر آیا اور کوڑامل کا سر کاٹ کر لے گیا۔

۱۷۵۹ء میں احمد شاہ درانی پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرہٹے پنجاب میں عمل دخل کر رہے تھے۔ فتح یابی کے بعد احمد شاہ نے سربلند خان نام ایک افغان کو پنجاب کی سند حکومت عطا کی۔ وہ ملک کے حالات سے ناواقف تھا اس نے آدینہ بیگ خاں حاکم جالندھر سے کوئی معتبر اور قابل آدمی نیابت کے لیئے طلب کیا۔ چنانچہ آدینہ بیگ خاں کے مشورے سے دیوان صورت سنگھ جو شاہ نواز خاں حاکم ملتان کا نائب رہ چکا تھا لاہور کا نائب گورنر قرار پایا۔

سکھ جیون صوبہ کشمیر کی بغاوت کو فرو کرنے۔ اس کی جگہ سربلند خاں کو صوبہ کشمیر مقرر کرنے اور زین خاں صوبہ سرہند کے سکھوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کے بعد احمد شاہ درانی نے خواجہ عبید خاں کی جگہ دیوان کابلی[1] مل کو لاہور کا حاکم مقرر کیا۔ کابلی مل نے بڑی دانائی سے حکومت کی مگر جب سکھوں کے جبر و تشدد سے اس نے قصابان گاؤکش کے ناک۔ کان کٹوا کر لاہور سے باہر نکال دیا اور احمد شاہ کو اس واقعہ کی خبر کابل میں پہنچی تو ساتویں مرتبہ اس نے پنجاب کا رخ کیا اور دلاور خاں کو صوبہ لاہور

---

[1] لاہوری بازار کی ایک گلی میں حویلی دیوان کابلی مل آج تک موجود ہے۔

اور کابلی مل کو جو صوبہ لاہور تھا اس کا نائب مقرر کیا۔ کابلی مل کو یہ بات ناگوار گزری اس کی بعض حرکتوں سے بادشاہ کو پھر لاہور آنا پڑا۔ چنانچہ اس مرتبہ اس نے کابلی مل کا مال و اسباب ضبط کر لیا اور اس کو قید خانہ میں بھجوا دیا۔

چونکہ صرف سکھوں کے تشدد سے اس نے بعض کام ایسے کیے تھے جو رعایا پروری کے خلاف تھے اور جو بادشاہ کو ناگوار گزرے تھے۔ ورنہ درحقیقت اس کے سلوک سے تمام رعایا خوش تھی اور یہی وجہ تھی کہ جب بادشاہ نے اس کا مال و اسباب ضبط کر کے اسے قید کر دیا تو شہر کے ہندو مسلمان معززین اور چودھری اور مقدم ہر قوم اور فرقہ کے اکٹھے ہو کر بادشاہ کے پاس گئے اور بکمال منت و خوشامد کے ساتھ اس کی رہائی کی درخواست کی۔

بادشاہ نے رعایا کی سفارش سے نہ صرف اس کو رہا ہی کر دیا بلکہ اس کا مال و اسباب اس کو واپس دے کر از سر نو اس کو نظامت لاہور کا خلعت فاخرہ عطا کیا۔

ہندوؤں کی ہمدردی کی وجہ سے کشمیر کے نائب گورنر کی معزولی

محمد شاہ کو تخت ہند پر متمکن ہوئے ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ کشمیر میں عبد النبی ایک شخص متقنی نے محتوی خاں نام رکھ کر بہت سے اوباشوں اور بیفکروں کی ایک جماعت پیدا کر کے لوٹ مار پر کمر باندھی اور مذہب کے نام پر مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف کر کے ملک میں فتنہ و فساد پیدا کر دیا۔

ایک مرتبہ ایک معزز کشمیری پنڈت جو ساہوکار بھی تھا ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ میں برہمنوں کو کھانا کھلا رہا تھا کہ محتوی خاں اوباشوں

کی ایک فوج لے کر اس پر جا پڑا اور لوٹ مار کر کے بھاگ گیا۔
کشمیری پنڈت نائب صوبہ میر احمد خاں کے پاس فریادی ہوا۔ مجتوی خاں کو خبر ہوئی۔ اس نے فریادی و فریاد رس دونوں کے مکانوں کو جا گھیرا۔ جس نے اس کی مزاحمت کی یا وہ زخمی ہو کر بھاگ گیا یا موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ نائب صوبہ ایک دن اور ایک رات تک گھر سے باہر نہ نکل سکا۔ آخر باقاعدہ جنگ ہوئی۔ تیر۔ بندوق۔ تلوار۔ اینٹ۔ پتھر جو جس کے ہاتھ لگا اس نے فرق نہ کیا۔ مفسدوں نے ایک دو پلوں کو بھی جلا دیا۔ تاکہ میر احمد خاں ادھر ادھر نہ ہو سکے۔ پلوں کے ساتھ جو مکانات تھے ان کو بھی نذر آتش کر دیا۔ میر احمد خاں کا بھانجا سید دلی اور ذوالفقار خاں بیگ نائب چبوترہ کوتوالی ایک جماعت کے ساتھ گشتہ و زخمی ہوئے میر احمد سخت مصیبت میں تھا۔ آگے جاتا ہے تو دشمن موجود ہے پیچھے ہٹتا ہے تو پل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ آخر صلح کی کوشش کی۔ مجتوی خاں نے میر احمد خاں اور قاضی کشمیر کے پاس منجملہ اور شرائط کے یہ شرطیں بھی پیش کیں۔

۱۔ ہندو گھوڑوں پہ سوار نہ ہوں۔
۲۔ وہ اچھا لباس نہ پہنیں۔
۳۔ پگڑی اور ہتھیار کا استعمال نہ کریں۔
۴۔ باغوں اور سبزہ زاروں کی سیر نہ کریں۔
۵۔ قشقہ نہ لگائیں۔
۶۔ ہندوؤں کے لیے حصول تعلیم کی ممانعت کے قطعی احکام صادر ہوں۔

اس قدر نازک اور خطرناک صورت حال کے باوجود دونوں نے ان شرائط

کے ماننے سے قطعی انکار کر دیا اور کہا۔ یہ صریح ناانصافی ہے اور ایسے احکام سیاست اور مذہب دونوں کے خلاف ہیں۔

محتوی خاں نے یہ جواب سن کر اور آشفتہ خاطر ہو کر وہ باتیں کیں جو اسلام اور اخلاق اور قانون کے رو سے کسی مذہب اور کسی شخص کے ساتھ جائز نہیں ہیں۔ دوسرے ہی دن محتوی خاں نے جس کے ساتھ مفسدوں کی تعداد پندرہ۔ بیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ میر احمد خاں کو ہندوؤں کی حمایت اور کشمیری پنڈت ساہوکار کی پناہ دہی کے الزام میں نیابت سے معزول کر دیا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا نام دیندار خاں رکھا۔

جب محمد شاہ کو دہلی میں اس فتنہ کی خبر پہنچی تو اس نے مومن خاں نجم ثانی کو نائب گورنر بنا کر کشمیر بھیجا اور تاکید کی کہ مظلوموں کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے اور اس شقی القلب کو سزا دے کر مالی امداد کے مرہم اور حسن سلوک کی دوا سے ہندوؤں کے زخموں اور انکی بیماریوں کا اندمال کیا جائے۔ چنانچہ میر احمد خاں کی معزولی کے واقعہ سے پانچ ماہ کے بعد محتوی خاں ۱۲ر ذی قعدہ ۱۱۳۲ھ کو مومن خاں کے داخل کشمیر ہونے پر قتل کیا گیا[1]۔

بادشاہ فرخ سیر اور اس کے وزیر میں ایک ہندو کیلئے نزاع و کشیدگی

اس بات کی سب تاریخیں شہادت دیتی ہیں کہ سید حسین علی خاں اور سید عبداللہ خاں (جو تاریخ میں بادشاہ گر کے لفظ سے مشہور ہیں) کی کوششوں سے فرخ سیر کو ہندوستان کی بادشاہی نصیب ہوئی۔ سید حسین علی خاں امیر الامراء اور سپہ سالار

---

[1] تاریخ کشمیر حصہ دوم صفحہ ۲۴۸ تا صفحہ ۲۵۱؛

بنے اور سید عبد اللہ خاں جو الہ آباد کے صوبہ دار تھے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ وزیر
نواب لطف اللہ خاں صادق کو جو کئی بادشاہوں کے زمانے میں ممتاز
عہدوں پر رہ چکے تھے۔ وزیر دوم کا اعزاز دینا چاہتا تھا اور بادشاہ نے
راجہ چھبید رام ناگر کو اس عہدۂ جلیلہ کا امیدوار بنا رکھا تھا۔ چونکہ وزیر
بادشاہ کی بات نہیں مانتا تھا۔ اس لیئے بادشاہ الگ بھڑکا اور وزیر
الگ برہم ہوا۔ دونوں بھائیوں کی طاقت چونکہ بادشاہ کے مقابلہ میں
بہت زیادہ تھی۔ اس لیئے وزیر دوم یعنی دیوان خالصہ نواب لطف اللہ
خاں مقرر ہو گئے۔ مگر دلوں میں کشیدگی اسی وقت سے شروع ہو گئی[1] اور
آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرخ سیئر کو تخت بھی چھوڑنا پڑا اور اپنی جان بھی دینی
پڑی۔

عہد مغلیہ میں کشمیر کے ہندوؤں کا عروج و اقبال

۱۵۸۶ء میں مرزا یوسف خاں کشمیر کا گورنر تھا۔ اس نے
پنڈت طوطا رام کو اپنا پیش کار مقرر کیا۔ علی مردان
خاں جو پنجاب اور ہندوستان کے دیگر صوبجات میں عہد مغلیہ کا نامور گورنر
رہا ہے ۱۶۴۲ء اور ۱۶۵۱ء میں کشمیر کی حکومت پر بھی سرافراز رہا ہے۔ اس نے
اپنے عہد میں پنڈت مہادیو کو پیشکاری کا اعزاز بخشا۔

ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں جے رام بھان کشمیر میں
ایک غریب آب کش ماں کا بیٹا تھا جو ایک جوتشی کا پانی بھر کے اور اس کے
گھر کی خدمت گاری کے ذریعے اپنا اور اپنے بچے کا پیٹ پالا کرتی تھی۔ جے رام
کی پیشانی سے ستارۂ بلندی کی روشنی نظر آ رہی تھی وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد

---

[1] حیات فریاد از تصنیف مولانا شاد مرحوم عظیم آبادی صفحہ نمبر ۲۶۔

تلاش روزگار میں دہلی پہنچا اور چھوٹی چھوٹی نوکریاں کرتے ہوئے رفتہ رفتہ محمد شاہ کے دربار میں اس کی رسائی ہو گئی۔ محمد شاہ نے اس کی بڑی قدر کی اور جیسا کہ "دی کشمیری پنڈت" کے مصنف پنڈت انند کول نے لکھا ہے۔ بادشاہ نے اس کی ذہانت و ذکاوت سے خوش ہو کر اس کو اپنا دیوان مقرر کر لیا۔

افاغنہ کشمیر کے زمانہ میں کشمیری ہندوؤں کا عروج

۱۷۶۶ء میں خرم خاں حاکم کشمیر تھا اس نے کیلاش در کو پیشکاری کا اعلیٰ عہدہ دیا پیشکاری آج کل کے زمانہ میں "منسٹران ویٹنگ" کے عہدے کے برابر سمجھنی چاہیے ۱۷۷۶ء میں حاجی کریم داد خاں کشمیر کا گورنر تھا۔ اس نے دلآرام قلی کو اپنا دیوان اور پنڈت گوبند رام در کو نائب دیوان مقرر کیا۔ عبداللہ الکوزئی ۱۷۹۶ء سے ۱۸۰۰ء تک کشمیر کا نامور گورنر رہا ہے۔ اس نے سہج رام کو پیشکار بنایا۔ اس کے بعد دیوان نند رام نے شاہ زمان بادشاہ کابل سے کہہ کر پیشکاری کا عہدہ اپنے بھائی دیوان ہرداس ٹکو کو دلایا عبداللہ الکوزئی کو دیوان نند رام کی جو بادشاہ کابل کے دربار میں ایک معزز عہدے پر تھا۔ یہ پیش دستی ناگوار معلوم ہوئی۔ اس نے شاہی حکم کے مطابق سہج رام کی بجائے ہرداس کو پیشکار تو مقرر کر دیا لیکن اس سے سلوک اچھا روا نہ رکھا۔ ہرداس نے کابل میں اپنے بھائی نند رام کو اطلاع دی۔ نند رام کا دربار کابل میں اس قدر رسوخ تھا کہ جب اس نے بادشاہ سے اپنے بھائی کی تکلیفات کا حال بیان کیا اور کچھ اور باتیں بھی عبداللہ الکوزئی کے خلاف بیان کیں تو شاہ زمان نے عبداللہ کو کابل میں واپس طلب کر لیا۔

محمود شاہ کے زمانے میں نندرام کشمیر میں اقامت گزین تھا۔ اسی زمانے میں وزیر فتح محمد خاں وزیر افغانستان کشمیر آیا اور اس نے سردار عظیم خان کو گورنر کشمیر اور دیوان ہرداس ٹکو اور سہج رام در کو سردار عظیم خاں کا مشیر کار مقرر کیا۔[1]

پنڈت دلہ مندلو اور سکھرام صفایا بھی اسی زمانے میں نہایت ممتاز عہدوں پر کشمیر میں ممتاز رہے ہیں۔ وزیر فتح محمد خاں دیوان نندرام ٹکو کو اپنے ہمراہ کابل میں لے گیا۔ دیوان نندرام نے اپنی قابلیت اور اپنے قابل رشک اقتدار کی وجہ سے کابل میں بڑا نام پیدا کیا۔ چنانچہ آجتک اس کے متعلق مشہور ہے۔ ع

سکہ زد در ملک افغاں نندرام

اس سے اس کی عظمت و رفعت کا پتہ چل سکتا ہے۔

لاہور کا نائب گورنر میر مومن خاں اور ایک پری جمال ہندو لڑکی

محمد شاہ رنگیلا ہندوستان کا بادشاہ تھا اور نواب خان بہادر خاں اس کی طرف سے پنجاب کی نظامت یا گورنری پر متمکن تھے۔ جنھوں نے اپنے نائب نواب میر مومن خاں کی نیک بختی۔ دیانت داری۔ شرافت و خاندانی بزرگی اور بے تعصبی سے خوش ہو کر سیاہ و سفید کے قریبًا سب اختیارات اسی کو دے رکھے تھے۔

لاہور کی تاریخوں میں نواب میر مومن خاں کی نیک نظری و شرافت طبعی اور ہندو مسلم رعایا سے یکساں سلوک کے کئی واقعات درج ہیں

[1] از کشمیری پنڈت (انگریزی) مصنفہ پنڈت انند کول صاحب سرینگر کشمیر۔

ایک واقعہ جو عدیم النظیر ہے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

میر مومن خاں کے متعلق جو بخاری النسل سید تھا لکھا ہے کہ نہایت خوش شکل اور خوب صورت جوان تھا۔ جب وردی پہنے۔ کرچ لگائے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تو دیکھنے والی آنکھیں اس کے حسن خداداد کی متاب نہ لا سکتیں۔

ان ہی دنوں شہر لاہور کے ایک ہندو رئیس کی پری تمثال ناکتخدا لڑکی میر مومن خاں کی حسن صورت و سیرت پر ہزار جان سے فریفتہ ہو گئی لکھا ہے کہ جب کبھی نواب کی سواری نکلا کرتی وہ کسی نہ کسی بہانہ سے آپ کو دیکھ لیا کرتی۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ آتش شوق و محبت اندر ہی اندر جگر جلاتی رہی اور بقول استاد داغ ؎

قابل رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردہ پردہ ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

آخر وہ وقت آ پہنچا جب پختہ مغزان جنون پردۂ ننگ و ناموس کو چاک کر ڈالتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب ایک دن نواب کی سواری[1] نکلی تو وہ "تپ دروں" کی مریضہ حرارت عشق سے بے تاب ہو کر سپاہیوں اور اہل کاروں کے مجمع کو چیرتی ہوئی نواب کے پاس آ گئی۔ اور کہنے لگی :۔

کیا اچھا ہوتا اگر ایشور مہاراج آپ کی صورت و سیرت کا ایک فرزند مجھے آپ ہی کے صلب سے عطا کرتا ؟ یہ الفاظ میں اس لیئے کہہ رہی ہوں

---

[1] تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ آپ اس وقت ڈبی بازار میں سے گزر رہے تھے ؛

کہ میری اور میرے دردِ دل کی رسائی کسی اور ذریعہ سے آپ تک ناممکن تھی،
نواب نے اپنا برق شال گھوڑا روک لیا اور کہا :-
"تم ہندو میں مسلمان ۔ میرا تمھارا سنجوگ ناممکن ہے ۔ پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ضرور فرزند ہی پیدا ہو اور ہو تو میری ہی سیرت و صورت کے مطابق ہو ۔ اس لیئے اے نوجوان لڑکی باوجود ان کا وٹوں کے میں تمھیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری دعا قبول کرلی ہے تم بجائے اس کے کہ کسی اور فرزند کی تلاش کرو ۔ مجھے ہی اپنا فرزند تصور کرلو ۔ آج کی تاریخ سے تم میری دھرم کی ماں ہو اور میں تمھیں والدہ ہی کہہ کر پکارا کروں گا ۔"
لکھا ہے کہ اس جواب سے اس مجسمۂ حسن لڑکی پر دیر تک محویت کا عالم رہا ۔ آخر نواب گھوڑے سے اترا اور پاپیادہ اس کے ساتھ اس کے مکان تک گیا اور جب تک زندہ رہا اپنی حقیقی ماں کی طرح اس کا احترام کرتا رہا اس لڑکی نے بھی ساری عمر شادی نہیں کی ۔ نواب ہندو تیوہاروں مثلاً دسہرہ ۔ ہولی ۔ راکھی بندھن اور بیساکھی اور دیوالی پہ تو ضرور ہی اس کے گھر جایا کرتا ۔

مسلمان بادشاہ کی ایک منہ بولی ہندو بہن

عماد الملک غازی الدین خاں کا عالمگیر ثانی شاہ دہلی کے دربار میں بڑا رسوخ تھا اور چونکہ اسی وزیر کی کوشش اور وساطت سے اس کو تخت ملا تھا ۔ اس لیئے عماد الملک ۔ بادشاہ کو کسی خاطر میں نہ لاتا تھا بلکہ بادشاہ اور ولی عہد شاہزادہ عالی گوہر جو

ف۱ نواب میر مومن خان کا مقبرہ لاہور میں بھاٹی دروازہ کے باہر دربار داتا گنج بخش کے مغربی جانب واقع ہے ۔

بعد میں شاہ عالم ثانی کے نام سے تخت دہلی پر بیٹھا) دونوں اس سے بہت ڈرتے تھے۔ جب وزیر یعنی عماد الملک کو خبر ہوئی کہ بادشاہ میرے دام سے نکلنے کے لیئے پر و بال صاف کر رہا ہے تو اس کے قتل کی تدبیریں سوچنے لگا بہت تجویزیں خیال میں آئیں لیکن کسی پر دل نہ جما۔

بادشاہ کو شامت اعمال سے فقیروں اور سادھو سنتوں پر بڑا اعتقاد تھا۔ غازی الدین نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بادشاہ کی خدمت میں یہ ڈھکوسلہ عرض کیا کہ پرانے کوٹلہ میں ایک صاحب کمال بزرگ تشریف لائے ہیں۔ ہر ہندو مسلمان کی زبان پر اُن کا چرچا ہے۔

بادشاہ :۔ ایسے صاحب کمال فقیر کو ضرور بلانا چاہیئے۔

وزیر :۔ حضور نے بجا ارشاد فرمایا۔

دوسرے دن بد باطن وزیر پرانے کوٹلہ میں گیا۔ وہاں ایک مناسب موقع پر ایک مکان تجویز کیا۔ جہاں ازبک قوم کے چند آدمی ننگی تلواروں سے مسلح کر کے ایک ایسی جگہ کھڑے کر دیئے کہ کسی ناواقف کو ان کی موجودگی سے کچھ اطلاع نہ ہو سکتی تھی۔ اس کارسازی کے بعد بادشاہ کے حضور میں واپس آیا اور کہنے لگا۔

حضور فقیر صاحب فرماتے ہیں کہ ہم آپ بادشاہ ہیں جس کو غرض ہے ہمارے پاس آئے۔ ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں اور نہ ہمیں دنیا کی خواہش ہے کہ ہم کسی بادشاہ کے پاس جائیں ؎

سو بار غرض ہو تو پیئے مانگ کے زاہد
محتاج نہیں ساقی میخانہ کسی کا

بادشاہ۔ بے شک ان کو یہاں بلوانا ان کی ہتک ہے چلیئے ہم خود انکی

خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔
بادشاہ کے ہمراہ کچھ جوان تھے۔ جب یہ بھیڑ بھاڑ کوٹلہ پہنچی تو وزیر نے عرض کیا۔ جہاں پناہ! فقیر صاحب یہ لاؤ لشکر دیکھ کر کہیں ناراض نہ ہوں بہتر یہ ہے کہ ان سب کو یہیں ٹھیرایا جائے۔ بادشاہ کا دل صاف تھا۔ اور فقیروں کی ہر بات کو وحی و الہام سے کم نہ سمجھتا تھا۔ اس لیئے اس نے کوئی عذر نہ کیا اور تن تنہا وزیر کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ آگے ایک اور مکان تھا۔ بادشاہ نے اس کے دروازے کا پردہ اٹھا کر قدم اندر رکھا ہی تھا کہ سنگدل اور بکوں کی جماعت یعنی موت کے فرشتوں نے چشم زدن میں کام تمام کر دیا اور لاش کو دریا کی طرف پھینک دیا۔
بد باطن و نمک حرام وزیر اپنے آقا اور خداوند مجازی کو قتل کرا کے جب باہر آیا۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ جہاں پناہ کہاں ہیں؟ کہا شاہ صاحب کے پاس بیٹھے ہیں اور تنہائی میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا ہے کہ ہماری خواب گاہ میں ایک کاغذ ہے وہ فوراً جا کر لاؤ۔ تم سب یہیں کھڑے رہو میں ابھی واپس آتا ہوں۔ وزیر تو یہ کہہ کر اور جان سلامت لے کر چلتا بنا۔ ادھر جس طرف لاش پھینکی گئی تھی۔ ایک ہندو عورت دریا سے اشنان کر کے واپس آ رہی تھی۔ اس کی نگاہ دور سے اس لاش پر پڑی پہلے تو سہمی۔ جب نزدیک آئی تو اور بھی گھبرائی اور چلا کر کہنے لگی۔ ارے یہ تو ہمارے بادشاہ ہیں۔ کس پاپی نے یہ پاپ کمایا ہے۔ غرض وہ وفادار اور نیک عورت بادشاہ کی لاش کے پاس بیٹھ گئی اور اس کی حفاظت کرنے لگی ؎

بے کسی روئے گی میت پہ مری بعد فنا
رنج و غم ہوں گے مری لاش اٹھانیوالے

جب وزیر واپس نہ آیا اور بادشاہ بھی اندر سے باہر نہ نکلا تو بادشاہی لوگ گھبرائے اور بے محابا اندر گھس گئے۔ وہاں چاروں طرف نظر دوڑا کے دیکھا نہ بادشاہ نظر آیا نہ درویش۔ خون کی چند بوندیں فرش پر گری ہوئی تھیں جن کو دیکھتے تھے اور حیران ہوتے تھے۔ ایک شخص نے دریا کی طرف جُھک کر دیکھا کہ بادشاہ کی لاش پڑی ہوئی ہے اور ایک ہندو عورت جس کے ہاتھ میں جَل کی گڑوی ہے زبان حال سے ماتم کناں ہے اور لاش کی نگہبانی کر رہی ہے۔ سب لوگ روتے پیٹتے نیچے اترے۔ لاش کو اٹھا کر محلات میں لائے اور شاہانہ اعزاز کے ساتھ مقبرہ ہمایوں میں جو دہلی کا مزار السلاطین ہے دفن کیا۔

بادشاہ کا ولی عہد شاہزادہ عالی گوہر شاہ عالم ثانی کے نام سے تخت دہلی پر متمکن ہوا۔ اُس ہندو عورت کو طلب کیا جس نے اس کے باپ کی لاش کی نگہبانی کی تھی۔ فرمایا "اے نیک بخت عورت تو آج سے میری بہن ہے۔ تو نے وہ کام کیا ہے کہ میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا میرے باپ کی لاش کی اگر تو حفاظت نہ کرتی تو خدا جانے جانور اور چوپائے اس کی کیا بے حرمتی کرتے! یہ کہہ کر اور بہت سا انعام اکرام دیکر رخصت کیا۔

جس طرح بادشاہ اپنی دوسری بہنوں اور خاندان کی شہزادیوں کو اپنی سالگرہ یا دیگر تقریبوں پر کچھ خلعت اور انعام دیتا تھا اسی طرح اس ہندو عورت کو بھی حصہ رسدی سب کچھ ملتا تھا۔ وہ عورت بھی محلات میں بادشاہ کے پاس آتی تھی اور تھالوں میں مٹھائی بھر کر لایا کرتی تھی۔

ہندوؤں میں رکھڑی کا ایک تیوہار ہے جس میں بہنیں اپنے بھائیوں کے ہاتھوں پر راکھی باندھا کرتی ہیں اور بھائی حسب توفیق بہنوں کو خوش کیا

کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ عورت بھی اس تیوہار پر بادشاہ کے ہاتھ پر سچے موتیوں کی رکھڑی باندھا کرتی تھی اور بادشاہ اشرفیاں اور روپے اور قیمتی پارچات دے کر اپنی منہ بولی بہن کو رخصت کیا کرتے تھے۔ یہ برادرانہ تعلقات نہ صرف شاہ عالم اور اس ہندو عورت تک ہی محدود رہے بلکہ بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے اکبر شاہ ثانی اور اس کے بعد اس کے بیٹے یعنی دہلی کے آخری مغل بادشاہ ابو ظفر بہادر شاہ نے اس کی اولاد سے عنایات و مراعات کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔

اب نہ وہ عورت ہے نہ بادشاہ لیکن دونوں کی ایک سبق آموز داستان ہے جو تاریخ ہند کے صفحات کو زینت دے رہی ہے۔

دسہرہ۔ ہولی اور دیوالی کے ہندو تیوہاروں پر مسلمان بادشاہوں کے دربار

شاہان مغل نے ہندوؤں کو نہایت جلیل القدر مراتب عطا کیے اور اکبر نے تو یہاں تک کمال کیا کہ اس کو لوگ رسومات کے لحاظ سے ہندو ہی سمجھتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی اور ابو ظفر بہادر شاہ اس عظیم الشان شہنشاہ کی نسل سے دو آخری بادشاہ دہلی میں گزرے ہیں۔ ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندو رعایا سے وہ کس محبت اور پریم سے ملتے تھے اور ان کے میلوں۔ اور تیوہاروں میں وہ کس مسرت سے شریک ہوتے تھے۔

دسہرہ کے دن جس طرح ہندو راجے۔ مہاراجے اپنی اپنی ریاستوں میں دربار کرتے تھے۔ اسی طرح بادشاہ بھی دربار کرتا تھا۔ جب نیل کنٹھ بادشاہ کے سامنے اڑایا جاتا تو مبارک۔ سلامت کی صداؤں سے دربار گونج اٹھتا۔ اس رسم کے بعد جانور خانہ کا داروغہ باز اور شکرا لے کر حاضر ہوتا بادشاہ باز کو اپنے ہاتھ پر بٹھاتا اور دربار برخاست ہو جاتا۔ اصطبل خانہ

کے داروغہ کو بھی انعام ملتا اور ہندو اور مسلمان امراء وزراء اور عام مستحق لوگ انعام۔ اکرام اور عطائے خطابات سے ممتاز کیے جاتے۔ دیوالی کا تیوہار تین دن تک منایا جاتا۔ پہلی رات کو جب دیوالی کا سب سے پہلا چراغ جلایا جاتا تو محلوں کی بیگمات شہزادیاں اور ان کی خواصیں اور خادمائیں تین دن تک محل سے باہر نہ نکلنے پاتیں۔

چونکہ مشہور تھا اور مشہور کیا امر واقعہ تھا کہ دیوالی کی رات کو ہندو عورتیں چوراہہ پر جادو ٹونا کیا کرتی ہیں اور ان میں سبزی عموماً استعمال کی جاتی ہے اس لیئے ان کی دیکھا دیکھی شاہی محلات میں بینگن۔ مولی کدو۔ گاجر وغیرہ کوئی ترکاری سالم اندر نہ جانے پاتی۔ تمام ترکاریوں کو باہر ہی تراش لیا جاتا تھا۔ تاکہ ایک۔ دوسری پر کوئی جادو ٹونا نہ کر سکے۔ تیسری رات بادشاہ کو سونے چاندی میں تولا جاتا۔ ترازو کے ایک پلڑے میں بادشاہ بیٹھتا اور دوسری طرف سونا چاندی رکھا جاتا اور بادشاہ پر تصدق کر کے۔ محتاجوں۔ غریبوں اور مستحقوں میں بانٹ دیا جاتا۔ پھر ایک بھینسا۔ کالا کمبل۔ کڑوا تیل بھی بادشاہ پر سے تصدق کیا جاتا۔ ان رسوم کے بعد قلعہ کے تمام برجوں پر روشنی کر دی جاتی اور حکم ہوتا کہ خاص خاص آدمیوں کے گھروں میں جن میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی کھیلیں۔ بتاشے کھانڈ اور مٹی کے خوب صورت۔ رنگدار کھلونے جن میں ہاتھی گھوڑے زیادہ ہوتے تھے۔ پونڈہ گنے کی گنڈیریاں اور لیمو بادشاہ کی طرف سے تقسیم کیئے جائیں۔

کہار اور کہاریاں سروں پہ ٹوکریاں اٹھائے گھر گھر بانٹتے پھرتے تھے۔ شہزادوں اور شہزادیوں کے پاس بھی کھلونے بھیجے جاتے تھے آگے آگے

روشنی ۔ پھر نوبت اور باجہ ۔ ہولی میں بادشاہ کی طرف سے بھی اکثر سوانگ تیار ہوتے تھے ۔ شہر میں جتنے سوانگ بنتے وہ سب جھروکے کے نیچے آتے بادشاہ ان کو دیکھتا ۔ خوش ہوتا اور انعام دیتا ۔

غرض عجب زمانہ تھا اور عجب دل داریاں تھیں ۔ اب تو جب کبھی محرم یا عید اور دسہرہ یا ہولی کا تہوار آتا ہے کسی نہ کسی مقام سے فساد اور خون خرابہ کی ہی خبر آتی ہے ۔

نواب نجیب الدولہ کی طرف سے ہردوار میں ہندوؤں کے لئے شاندار عمارتیں

قریباً ڈیڑھ سو سال کا ذکر ہے کہ سنہ ۱۷۸۰ء کے قریبی زمانہ میں ہردوار میں کمبھ کا میلہ آیا ۔ ان ایام میں ہردوار میں نجیب آباد کے پٹھانوں کی حکومت تھی ۔ جب نواب نجیب الدولہ کو اپنے ماتحت راجہ کوہ دون کی سرکشی کا حال معلوم ہوا تو اس پر چڑھائی کی فکر ہوئی ۔ مگر ریاست کا خزانہ خالی تھا ۔ نواب کے ایک ہندو مصاحب نے عرض کیا کہ میلہ میں جو پنجابی ہندو آرہے ہیں ان سے ٹیکس وصول کیجئے ۔ روپیہ کا مسئلہ حل ہو جائیگا نواب نے بہت پس و پیش کے بعد اس رائے کو منظور کر کے اس ہندو ہی کو ٹیکس وصول کرنے کی خدمت تفویض کی ۔ چنانچہ میلہ پر ان جاتریوں سے جو پنجاب کی طرف سے آتے تھے سوا روپیہ فی کس ٹیکس وصول کیا گیا قابل ذکر یہ بات ہے کہ یہ ٹیکس اس سے پہلے یا اس کے بعد پھر کبھی وصول نہیں کیا گیا ۔

جب کوہ دون کا راجہ پھر باج گزار ہو گیا اور دہلی گڑھ کا قلعہ بھی رانی خاں سے لے لیا گیا اور ملک میں امن داماں کی لہر دوڑنے لگی تو اگلے سال نواب نے اس ٹیکس کے روپے سے دگنا روپیہ لگا کر ہردوار میں

ہندو جاتریوں کے آرام کے لیئے بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنوائیں جن میں سے اب بھی اکثر موجود ہیں اور وہ سب ہندوؤں کے تصرف میں ہیں۔ نواب نے اپنے لیئے بھی ایک وسیع باغ کا احاطہ بنوا کر اس کے اندر قیام گاہ تعمیر کرائی اس کے بعد سے نجیب آباد کے نوابوں کا معمول رہا کہ وہ ہردوار کے اس میلہ پر ضرور جاتے۔ اسی باغ کے اندر قیام کرتے، جو ہندو راجے اشنان کے لیئے ہردوار آتے نواب صاحب سے ملاقات کرتے اور بعض راجے مہاراجے میلے کے بعد نواب کے ساتھ نجیب آباد بھی آتے اور ہفتوں مہمان رہتے۔ اس باغ کی ملکیت ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے نواب محمود خاں کے زمانے میں ایک قیمتی ہاتھی "کالا ناگ" کے معاوضہ میں جو شیر کے شکار میں بہت کارآمد تھا رئیس بلرام پور کو منتقل ہو گئی تھی۔[1]

ہردوار میں ایک سانڈ کی ہلاکت پر ناگے سادھوؤں کی برافروختگی اور مسلمان نواب کی شاہانہ مستقل مزاجی

۱۸۳۱ء کا واقعہ ہے۔ نواب نجیب الدولہ نواب معین الدین خاں عرف نواب جھجھو خاں حسب عادت صرف چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ ہردوار گئے۔ اس سال بھی کمبھ کا میلہ تھا۔ دور دور سے راجے مہاراجے آئے ہوئے تھے میلہ کے ایام میں ایک سانڈ جو کبھی کبھی لوگوں پر حملہ کر بیٹھتا تھا۔ نواب کے ملازمین میں ایک بزرگ ولی بیگ بھی تھے اور ان کے چھوٹے بیٹے مرزا محمد بیگ بھی بعمر ۱۳-۱۴ سالہ ان کے ہمراہ تھے۔ سانڈ نے اس لڑکے پر حملہ

[1] مضمون "دوگزشتہ کمبھ کے میلے" از قلم مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔ مندرجہ اخبار زمیندار۔ ۲۴ اپریل ۱۹۲۷ء۔

کیا اس نے فوراً گولی مار کر اس کو ٹھنڈا کر دیا۔

ناگے سادھوؤں نے سانڈ کے مارے جانے کا حال سنا تو ان میں بڑا جوش پیدا ہو گیا۔ پندرہ بیس ہزار ناگے اپنے مخصوص قومی نعرے لگاتے اور شور مچاتے ہوئے باغ کے گرد جمع ہو گئے۔ نواب کو خبر بھی نہ تھی کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ مصاحبین نے واقعہ بتایا آپ نے فرمایا۔ پہلے یہ معلوم کرو کہ حملہ آوروں میں کس کس راجہ کی فوج شامل ہے۔ خدام نے درختوں اور دیواروں پر چڑھ کر حملہ آور ہجوم کا معائنہ کیا اور کہا کسی راجہ کی باقاعدہ فوج تو معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ ہزارہا ناگے سادھو اور عام ہندو جوش میں بھرے ہوئے ہیں۔

نواب نے کہا، جب کوئی راجہ ان کے ساتھ شامل نہیں تو کسی حملہ کی ضرورت نہیں۔ باغ کے دروازے کھول کر شکاری کتوں کو چھوڑ دو چنانچہ کتوں کے حملہ آور ہوتے ہی سب سادھو تتر بتر ہو گئے۔[1]

سادھوؤں نے اس واقعہ کو ایک مذہبی معاملہ بنا دیا تھا لیکن نواب نے کمال دوراندیشی سے کام لے کر اس معمولی سی حکمت عملی سے اسے فرد کر دیا اور اس واقعہ کے بعد محمد بیگ کو بھی جو ابھی بچہ ہی تھا سمجھا دیا۔ کہ سانڈ اور گائے ہندوؤں کے نزدیک ایک مقدس جانور ہے۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہو حملہ کی مدافعت کے باوجود بھی فوراً ہی اس کے گولی نہ مارو یا کرو۔

---

[1] مضمون "دور گزشتہ کمبھ کے میلے" از قلم مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔ مندرجہ اخبار زمیندار - ۲۴ راپریل ۱۹۲۷ء

ایک ہندو خاندان کو پناہ دینے پر ایک مسلمان خاندان کا قتل

۱۸۱۹ء میں بہ عہدِ حکومت محمود شاہ درانی۔ بادشاہِ کابل، کشمیر کا گورنر سردار محمد عظیم خاں تھا۔ اس زمانے میں کشمیر کے افسر مال گزار پنڈت بیربر در تھے۔ گورنر نے اس کے ذمہ ایک لاکھ روپیہ بقایا نکالا اور مطالبہ سختی سے شروع کیا۔ پنڈت بیر در کا عذر معقول تھا کہ سال گزشتہ میں فصل خام رہی ہے۔ زمیندار مالیہ ادا کرنے کے ناقابل ہیں۔ اس لیے بقایا مالیہ معاف ہونا چاہیئے۔ گورنر نے اس عذر کو تسلیم نہیں کیا۔ آخر فوج کا ایک دستہ وصولیٔ بقایا کی غرض سے بیر در کے مکان پہ تعینات کیا گیا۔ چونکہ عام لوگ اس مطالبہ کو ظلم صریح سے تعبیر کرتے تھے اور اتنی بڑی رقم بھی کہیں موجود نہ تھی۔ اس لیے مرزا پنڈت برادر پنڈت بیر در کے مکان پر شہر کے رؤسا، خصوصاً ادگان خاندان ذ جمع ہوئے اور کافی بحث و مباحثہ کے بعد یہ قرار پایا کہ بیر در لاہور جا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو حکومت کشمیر کی دعوت دے۔

سامان سفر مکمل ہو گیا۔ بیر در اور اس کا فرزند راجہ کاگ تو تیار ہو گئے مگر مشکل یہ تھی کہ مستورات کا لے جانا اس زمانے کے دشوار گزار اور ناقابل عبور راستوں اور بالخصوص برفانی موسم کی وجہ سے بجائے خود ایک مصیبت تھا۔

بڑے بڑے رئیس پنڈت صاحبان نے بیر در کی مستورات کو پناہ دینے کی خطرناک امداد سے انکار کر دیا۔ آخر ایک مسلمان رئیس خواجہ قدوس جو گوجواری نے اپنی جان پر کھیل کر بیر در کی بیوی اور بہو کو بہ عزت و احترام اپنے گھر میں جگہ دی۔ بیر در جب علاقہ "گھوڑی نارہ داؤ" میں پہنچا تو ملک ذوالفقار

اور ملک کام گار وہاں کے صاحب ثروت رؤسا نے باوجود اس علم کے کہ گورنر بیر در پر ناراض ہے اور بیر در بھاگ کر اپنی جان بچا رہا ہے۔ اس کی بڑی عزت کی چونکہ یہ موسم وسط زمستاں کا تھا اور پیر پنجال بوجہ برف ناقابل عبور تھا۔ ملک صاحبان بندی مرگ کے رئیس مہر نور رجال کو ہمراہ لے کر بیر در اور اس کے بیٹے کو برف کے طوفان سے عبور کرا آئے۔

گورنر کو خبر ہوئی تو اس نے مرزا پنڈت کو بلوایا اور پوچھا :-

بیر در کجا رفت ؟

میرزا پنڈت :- ہر گاہ اورا ہوس دنیا نماندہ باشد بہ گنگا خواہد رفت ورنہ بیش رنجیت رفتہ سنگاں بر تو آرد۔

عظیم خاں :- پس چہ صلاح ؟

میرزا پنڈت :- کشتن میرزا پنڈت !

عظیم خاں :- بفلیائے بیرمد۔

میرزا پنڈت :- بہ پاے میرزا پنڈت۔

میرزا پنڈت کی اس صاف بیانی وجرأت نے عظیم خاں کے قلب پر بری اثر کیا اور اس نے اس سے درگزر کر کے پنڈت واسہ کاک ہرکارہ (سپرنٹنڈنٹ پولیس) کو بیر در کی زوجہ اور بہو کی تلاشی کا حکم دیا۔

جب مخبروں کے ذریعہ عظیم خاں کو خبر ہوئی کہ ملکان کھوری نارہ واؤ نے بیر در کو فرار ہونے میں مدد دی ہے۔ اور مہر نور رجال بھی ان کے ساتھ شامل ہے تو اس نے ان تینوں کو نہایت بے دردانہ و وحشیانہ طریقوں سے ہلاک کرا دیا۔

بیر در کی مستورات کی پناہ دہی کے سلسلہ میں صدہا لوگ گرفتار کئے گئے

خاندان در کے تمام افراد کی خانہ تلاشیاں اور گرفتاریاں ہوئیں۔ جرمانے وصول ہوئے۔ شہر میں ایک تلاطم پیدا ہو گیا۔ مگر گوہر مقصود کا عظیم خاں کو کوئی پتہ نہ ملا۔

پنڈت واسہ کاک ہرکارہ کو یہ سزا دی گئی کہ جب تک وہ عورتوں کا پتہ نہ نکالے۔ ایک ہزار روپیہ روزانہ جرمانہ ادا کرے۔ شہر میں بذریعہ ڈھنڈورہ انعام اکرام کے لالچ بھی دیئے گئے لیکن نہ کسی مسلمان نے ان مظلوم مستورات کا پتہ بتایا نہ کسی ہندو نے۔

آخر پنڈت ٹیک چند منشی پر لالچ غالب آ گیا۔ جو پنڈت بیردر کا داماد بھی تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو جو بیردر کی بیٹی تھی ڈرا دھمکا کر پتہ نکال ہی لیا۔ فوج شاہی نے فوراً قدوس گوجاری کے مکان کا محاصرہ کر کے پناہ گزیں مستورات کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بیردر کی زوجہ نے تو خودکشی کر لی اور اس کی بہو کو گرفتار کر کے کابل بھیج دیا گیا۔

اب قدوس گوجاری کی باری آتی ہے۔

عظیم خاں نے اس کو پابہ جولاں دربار میں بلوایا اور پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟

قدوس گوجاری، تمھاری یہ سختیاں احکام اسلام کے منافی ہیں میں نے ایک مظلوم کے اہل و عیال کو جو پناہ دی ہے تو یہ عین تعلیم اسلام ہے۔

اس کے جواب میں عظیم خاں نے جلادوں کو اس کے قتل کا اس طرح سے حکم دیا کہ اس کے جسم سے بوٹیاں کاٹی جائیں اور ایک ایک بوٹی نوچنے پر اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ تمھارا فعل درست ہے یا صوبہ دار کا؟

ہر سوال پر وہ جوانمردی جواب دیتا رہا کہ میں نے ان مظلوم عورتوں کو پناہ دے کر اسلام کی لاج رکھی ہے۔ آخر اسی شدید عذاب کے ساتھ اس غریب کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کی جائداد ضبط کر کے خالصہ قرار دی گئی۔ اس کا گھر جلا دیا گیا اور اس کے خاندان کے تمام افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔[1]

مسلمانوں کا کمال ہندی زبان میں

ہندوستان[2] کا غیر ملکی مؤرخ البیرونی جو محمود غزنوی کے ہمراہ ہند میں آیا شاید پہلا مسلمان تھا جس نے سنسکرت زبان پر عبور حاصل کیا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ دو مختلف النسل و الطبائع اقوام کا علم و ادب تہذیب و تمدن کے اثرات قبول کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بارھویں صدی عیسوی میں جو نامور ہندی شعراء گزرے ہیں ان کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہے اور ان میں بھی

---

[1] یہ واقعہ مختصر طور پر پنڈت انندکول نے اپنی انگریزی کتاب "دی کشمیری پنڈت" میں بھی درج کیا ہے لیکن یہ حسرت ناک اور عبرت انگیز داستان مفصل طور پر پیر غلام احمد صاحب مہجور سنگی کدل سری نگر کشمیر نے "آئینہ اتحاد کشمیر" کے نام سے علیحدہ بھی لکھی ہے اور ہمیں امید ہے کہ مہجور صاحب اس کتاب کو بہت جلد زیور طبع سے آراستہ کر کے پبلک میں پیش کریں گے۔ ۱۲

[2] یہ مضمون مسٹر جگیشور ناتھ ورما بے تاب بریلوی کے مضمون "ہندی اور مسلمان" کا خلاصہ ہے جو کانپور کے نامور ادبی رسالہ "زمانہ" بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں صفحہ ایک سو چھیانوے سے صفحہ نمبر دو سو دو تک درج ہے۔ طوالت مضمون کی وجہ سے مسلمان ہندی شعراء کے اشعار کے نمونے درج نہیں کیے گئے۔ ۱۲

(۱) مسعود (۲) قطب علی (۳) اکرم فیض تین مسلمان تھے۔
ہندی ادب کی تاریخ نے امیر خسرو۔ ملا داؤد۔ خان خانان عبدالرحیم اور ملک محمد جائسی مایۂ ناز ہستیوں کو حیاتِ دوام بخش دی ہے کبیر صاحب پیدائش سے مسلمان تھے تاہم ہندی کے حسن و جمال پر ریجھے ہوئے تھے۔ "تماشا" پر آپ کے بہت سے احسانات ہیں۔ آپ کے صاحبزادے ملا کمال بھی ہندی کے شاعر تھے۔ کتبن شیخ نے "مرگاوتی" جھنجھن نے "مدھو مالتی" عثمان نے "چتراولی" محمد جائسی نے "پدماوت" شیخ بنی نے "گیان دیپکا" نور محمد نے "اندراوتی" اور قاسم شاہ نے "ہنس جواہر" وغیرہ مثنویاں لکھ کر ہندی کے گنجینۂ ادب کو عشقیہ مضامین کے جواہر ریزوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ ان سب شعراء میں جائسی کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔

اکبر کے زمانہ میں بھی مسلمان ہندی کی ادبی خدمات انجام دینے سے قاصر نہ رہے۔ خود بادشاہ کو بھی ہندی میں شعر کہنے کا ملکہ تھا۔ یہ سب فیضی۔ ابوالفضل۔ تان سین اور رحیم جیسے باکمال ہندی شعراء کا فیضان صحبت تھا۔ رحیم فارسی و عربی کی طرح سنسکرت زبان کا بھی بڑا عالم تھا۔ آپ کا ہندی کلام خالص ٹکسالی ہے۔ ان کے "نیتی کے دوہے" گوسوامی تلسی داس جی کے دوہوں کے ہم پلہ ہیں۔ رحیم نے مدناشٹک۔ بروے نائیکا بھید اور نیتی سنگرہ وغیرہ کئی منظوم کتابیں ہندی میں لکھی ہیں۔

کچھ مسلمان کرشن کے بھگت بھی ہوئے ہیں۔ ان عقیدت مندوں میں "رس کھان" کو طرۂ امتیاز حاصل ہے۔ مے محبت کے پرکیف جام سے سرشار ہو کر مصنف "رس کھان" "گوپیوں" کے "شیام" کی مدح سرائی

میں وہ دُر افشانی کرتا ہے کہ پڑھنے والا وجد میں آجاتا ہے۔

ضلع ہردوئی کے موضع پہانی کا قادر ۱۵۶۱ء کے قریب بھاشا بجوشن لکھ کر ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندی کے جمیع اصناف سخن پر قادر تھا۔ آگرہ کے ادیب طاہر نے سنہ ۱۶۷۸ء میں "گُن ساگر" اور "کوک سار" دو کتابیں لکھ کر ہندی لٹریچر میں گراں بہا اضافہ کیا۔ مبارک نے "ل شتک" اور "الک شتک" دو قابل قدر تضمینیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں نظیر اکبرآبادی نے بھی ہندی زبان میں کرشن جی پر ایک نظم لکھی۔ زمانہ حال کے مسلمان شعرا میں امیر علی میر اور ظہور بخش وغیرہ نے اچھی شہرت حاصل کی ہے۔

ایک مسلمان کا جذبۂ ایثار راجہ دھیان سنگھ کے لیے

راجہ دھیان سنگھ برادر مہاراجہ گلاب سنگھ والیٔ جموں و کشمیر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا وزیر اعظم اور مدار المہام جز وکل تھا۔ رنجیت سنگھ کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ کے زمانے میں بھی باوجود سکھوں کی اندرونی مخالفتوں کے اس کا طوطی بولتا رہا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کے زمانے میں جب سرداران سندھانوالیہ کا زور ہوگیا تو انھوں نے مہاراجہ اور وزیر دونوں کو قتل کر دینے کا منصوبہ کیا۔ چنانچہ یکم اسوج سمت ۱۹۰۰ ب کو سردار اجیت سنگھ اپنی سوار و پیادہ فوج ہمراہ شاہ بلاول دلاہی میں گیا۔ جہاں باغ کی بارہ دری میں مہاراجہ شیر سنگھ اجلاس کر رہا تھا وہاں اس کو دونالی بندوق کے فائر سے ہلاک کیا۔ پھر اس کے بیٹے پرتاب سنگھ کی طرف گیا جو ابھی خورد سال ہی تھا اور جس کا اسی باغ کے متصل تلادان ہو رہا تھا۔ اس کی منت سماجت کے باوجود اس کو قتل کر دیا گیا۔

راجہ دھیان سنگھ ان سب باتوں سے بے خبر اپنے تین وفاداروں کے ہمراہ جن میں ایک مسلمان فتح خاں نام بھی تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کی طرف

آرہا تھا۔ رستے میں اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ سندھانوالیہ قلعہ کی طرف آتے ہوئے ملے اور کہنے لگے "ہم نے آپ کی خاطر مہاراجہ کی صفائی کر دی ہے۔ آئیے اب قلعہ میں چل کر آئندہ بادشاہت کا بندوبست کریں۔"

راجہ دھیان سنگھ۔ ان کے تیور دیکھ کر سمجھ گئے کہ اب جان کی خیر نہیں ہے۔ ان کے ساتھ نہ جانے کے لیے بہت کچھ عذر و حیلے کیئے مگر ایک پیش نہ گئی اور چونکہ صرف تین آدمی ہمراہ تھے اس لیئے مجبوراً ان کے ساتھ واپس آگئے۔

قلعہ میں جب داخل ہوئے تو راجہ دھیان سنگھ کو قتل کر دیا گیا۔ ان کا ایک ہمراہی مصر دیوان چند بھاگ گیا۔ ایک چھتری برادر ڈوگرہ اور ایک مسلمان فتح خان دو ہمراہی تھے جنھوں نے یہ جانتے ہوئے کہ ہم اتنے سکھوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے دو دو ہاتھ دکھائے لیکن آخر اپنے آقا پر قربان ہو کر وفاداروں اور جان نثاروں کی صفِ اول میں اپنے نام لکھا گئے۔

مسلمان پگڑی بدل بھائی کی مدد سے جے پور کا راج مہاراجہ رام سنگھ کو ملا!

عالمگیر کے عہد میں سوائی جے سنگھ دوم ۱۶۹۹ء میں جے پور کا راجہ بنا۔ بادشاہ نے ڈیڑھ ہزاری ذات اور ایک ہزار سوار کا منصب عنایت کیا۔ ۱۷۳۶ء میں نادر شاہی حملہ کے بعد راجہ جے سنگھ کے سوتیلے بھائی نے اپنی ماں کی تحریک سے قمرالدین خاں

لہ از تاریخ راجگان جموں و کشمیر صفحہ ۱۵۸ء

وزیر دہلی سے موافقت پیدا کی اور تحفہ تحائف میں زر و جواہرات پیش کیے اور یہ بھی کہا کہ اگر ریاست میرے نام کر دی جائے تو میں پانچ کروڑ روپیہ اور پانچ ہزار سوار کی نوکری دینا منظور کر دوں گا۔ بادشاہ تک یہ اطلاع پہنچائی گئی۔ بادشاہ نے کہا "اتنی بڑی رقم کے لیے کوئی ضامن ہونا چاہیئے" وزیر تحفہ تحائف لے کر اس کا معاون بن چکا تھا اس نے خود ضامن بننا قبول کیا۔ چنانچہ بجے سنگھ کو راجہ بنانے اور جے سنگھ کو بے دخل کیے جانے کے منصوبے سوچے جا کر ایک کی مسند نشینی اور دوسرے کی بے دخلی کی سند تیار ہونے لگی۔

دربار میں خان دوران خان ایک نامور عہدے دار تھا وہ فرخ سیر کے زمانے ہی سے جے سنگھ کا پگڑی بدل بھائی بن چکا تھا۔ اس کو اس سازش کی خبر ہوئی تو اس نے کرپارام وکیل جے پور حاضر باش دربار کو اس حال سے مطلع کیا اور کہا کوئی آدمی جے پور بھیجو جو پر لگا کر جائے اور جے سنگھ کو حقیقت حال سے اطلاع دے۔ یہاں جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا میں بھی کروں گا کرپارام نے ایک معتمد کے ہاتھ راجہ کو پیغام بھیجا۔ ادھر خان دوران خان نے جے سنگھ سے جواب تک تخت دہلی کا وفادار رہا ہے۔ راج چھیننے کے نتائج بیان کیے اور معاملہ کو تھوڑی مدت تک کھٹائی میں ڈلوا دیا۔

راجہ جے سنگھ نے اپنے سرداروں کے مشورے اور خان دوران خان اپنے پگڑی بدل بھائی کی صلاح سے اپنے سوتیلے بھائی بجے سنگھ کو اپنے بہترین پرگنہ بسوہ کا پٹہ دینا منظور کر لیا۔ لیکن بجے سنگھ سارا راج لینا چاہتا تھا پہلے تو قمرالدین خاں وزیر نے بھی بجے سنگھ ہی کی تائید کی لیکن بعد میں خان دوران خان وغیرہ کے سمجھانے سے بسوہ کا پٹہ ہی کافی سمجھا۔ مگر بجے سنگھ نے

اس کو تسلیم نہ کیا۔

آخر جے سنگھ نے کسی بہانے اور فریب سے اپنے بھائی کو بے ہتھیار کرا کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس کے بعد بجے سنگھ کی موت و زیست کا کوئی پتہ نہ مل سکا[1]۔

راجہ اودے کرن والی جے پور کا پوتا ایک مسلمان فقیر کے قدموں میں

راجہ اودے کرن[2]۔ آنبیر یعنی جے پور کا بارھواں کچھواہہ راجہ تھا۔ اس کے پوتے موکل جی کو شیخ برہان الدین ایک مسلمان فقیر سے بہت عقیدت تھی۔ یہ بزرگ خراسان کی طرف سے آکر اس ویرانہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ موکل جی کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ دواؤں کے بعد دعاؤں پہ آیا۔ شیخ برہان الدین سے بھی خواہش فرزند کا ذکر کیا۔ آپ نے دعا کی۔ خدا کی قدرت سے موکل جی کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔ چونکہ شیخ سے ان کو عقیدت تھی اور ہمیشہ ان کی خدمت کیا کرتے تھے اس لیے بچے کی پیدائش شیخ کی دعا کا نتیجہ خیال کی گئی اور اسی خیال سے بچہ کا نام شیخا یا شیخ جی رکھا گیا۔ اسی لڑکے شیخ جی یا شیخا کے نام کی وجہ سے جے پور کے شمالی مغربی علاقہ کا یہ وسیع ریگستان شیخاواٹی کہلاتا ہے۔

---

[1] کارنامۂ راجپوتان صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۵

[2] اسی اودے کرن کی چھٹی پشت سے راجہ بھارامل ہوا ہے جس نے راجپوتانہ کے تمام راجاؤں میں سب سے پہلے مغل بادشاہ اکبر اعظم کو اپنی بیٹی دی راجہ بھگوان داس اور اس کا بیٹا راجہ مان سنگھ جو اکبری دربار کے درخشاں ستارے تھے ان میں سے اول الذکر بھارامل کا بیٹا اور دوسرا اس کا پوتا تھا۔

شیخ برہان الدین کے انتقال کے بعد اس کی قبر پر ایک عالیشان عمارت بنائی گئی جس کی اب تک تعظیم و زیارت ہو رہی ہے کھیتڑی سیکر اور کھنڈیلہ کے راجے اور منوہر پور وغیرہ کے جاگیر دار شیخ جی کی اولاد ہی سے ہیں۔

شیخاوت ہندو دیوتاؤں کی طرح مسلمانوں کے پیغمبروں اور پیروں کی بھی بڑی عزت کرتے ہیں۔ شیخ برہان الدین کے احترام کی وجہ سے راجہ موکل جی نے چونکہ سور کا گوشت کھانا ترک کر دیا تھا اس لیئے کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود اب تک اس کی اولاد سور کا گوشت بالکل نہیں کھاتی۔

شیخاواٹی میں جاگیریں اور خراج گزاریاں بہت ہیں۔ جاگیروں میں سیکر اور کھیتڑی پانچ لاکھ اور چھ لاکھ سالانہ کی آمدنی رکھتی ہیں سیکر کا خطاب راؤ راجہ ہے۔ کل شیخاواٹی کی آمدنی پندرہ لاکھ روپیہ کے قریب ہے جس میں سے تین لاکھ روپیہ سالانہ مہاراجہ جے پور کو بطور خراج ملتا ہے۔

ہندو رئیس کی وفاداری کے لیئے مسلمان کی مسلمان سے دشمنی

۱۸۳۸ء میں راؤ راجہ بنے سنگھ الور سٹیٹ کے حکمران تھے۔ لیکن ان کی قوم کے سرداروں اور خود غرض اہل کاروں نے انتظام و وقار ریاست میں جو ابتری پیدا کر رکھی تھی اس سے تنگ آ کر اس نے اپنے دربار کے خوشنویس آغا

لہ کارنامۂ راجپوتان صفحہ ۳۳۳ و ۳۳۴ مصنفہ مولانا نجم الغنی خان رام پوری؛

صاحب کی معرفت منشی عموخان کو جو ریزیڈنسی دہلی کے میر منشی تھے سات سو روپیہ ماہوار پر دیوان ریاست اور نواب فیروز پور جھرکا (لوہارو کے نواب احمد بخش خاں) کے نوکر مرزا اسفند یار بیگ کو تین سو روپیہ پر نائب دیوان مقرر کیا۔ ان اہل کاروں نے شہر (اور) اور پرگنہ جات میں عدالتیں قائم کر کے ساہوکاروں کے ٹھیکہ اور بیجا دباؤ اور تمام قرضہ سے ریاست کو نجات دلادی۔ منشی عموخان نے انتظام تو اچھا کیا لیکن ریزیڈنسی کے زمانے میں تحفہ تحائف لینے کا چسکہ پڑ گیا تھا وہ یہاں بھی اثر دکھائے بغیر نہ رہا۔ مرزا اسفند یار بیگ نے جو اس کا نائب تھا نیک نیتی کے ساتھ اس کو منع کیا اور کہا ہم کو رئیس نے ملک کی اصلاح و فلاح کے لیئے بلایا ہے نہ کہ لوٹنے اور رشوت لینے کے لیئے منشی نے اس مشورے سے ناراض ہو کر نیابت اس سے چھین لی اور کوئی اور معمولی سی خدمت اس کے سپرد کر دی۔

مرزا نے رئیس کی وفاداری کی خاطر منشی پر الزام ثابت کرنے کے لیئے رشوت کے ثبوت بہم پہنچانے شروع کیئے۔ آخر دیوان ریاست یعنی منشی عموخان رشوت ستانی کے الزام میں قید ہو گیا اور سات لاکھ روپیہ جرمانہ دے کر رہا ہوا۔[۱]

بابر کے مقابلے میں رانا سانگا کے مسلمان حمایتی

رانا سانگا جب بابر کو ہندوستان سے نکالنے کے لیئے شمالی ہند کی طرف روانہ ہوا ہے تو اس کے ساتھ اپنی ایک لاکھ فوج کے علاوہ راجہ رائے سین راجہ

---

[۱] کارنامہ راجپوتان صفحہ ۳۵۳

ڈونگر پور۔ راجہ میدنی رائے چندیری۔ راجہ بوندی۔ راجہ ایدر اور بیرم دیو میر بتنبہ کی ۷۵ ہزار افواج بھی شامل تھیں ان کے علاوہ حسن خاں میواتی کی بارہ ہزار اور لودھی خاندان کے شاہزادہ محمود کی دس ہزار فوج بھی رانا سانگا ہی کی سرکردگی میں بابر کی جان لینے کے لیئے سربکف پھر رہی تھی۔

اگر یہ مذہبی لڑائی ہوتی تو مسلمان ہندوؤں کا ساتھ کیوں دیتے؟ اس قسم کی تمام لڑائیوں کا سیاسی خودغرضیوں کے سوا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔

رانا اودے سنگھ کے مسلمان حامی اکبر کے مقابلہ میں

اکبر ہندوؤں کی اتنی خاطرداری کرتا تھا کہ اس نے بہت سی ہندوانہ رسومات اختیار کرلی تھیں۔ ہندو بھی اس پر جان دیتے تھے۔ اس کے دربار میں راجہ بھگوان داس۔ راجہ مان سنگھ۔ راجہ بیربر۔ راجہ ٹوڈرمل اور کئی اور نامی ہندو مدبر اور فوجی جرنیل مسلمان افسروں اور درباریوں کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ لاہور۔ کابل۔ بنگالہ۔ گجرات۔ مالوہ اور دکن وغیرہ کے صوبوں پر اس نے ہندوؤں کو گورنری اور نائب گورنری اور فوجوں کی سپہ سالاری عطا کی ہے۔ بایں ہمہ جب وہ سنہ ۱۵۶۸ء میں دھولپور آیا اور اکثر زمیندار اور راجے اس کے آستان بوس ہوئے تو رانا سکت سنگھ جو بادشاہ کے ہمرکاب تھا کا باپ رانا اودے سنگھ۔ بادشاہ کے پاس نہ آیا۔ بادشاہ نے کہا۔ اودے سنگھ اس غرور سے کہ اس کا ملک دشوارگزار ہے اور بڑے بڑے مضبوط قلعے اس کے پاس ہیں ہم سے سرکشی کرتا ہے اس لیئے اس کا استیصال ضروری ہے سکت سنگھ یہ سنتے

ہی باپ کے پاس بھاگ گیا اور رانا نے اس خیال سے کہ بادشاہی فوج کو رسد نہ مل سکے تمام علاقہ کو برباد کرکے کئی ماہ کی رسد قلعہ کے اندر ڈال لی اور ملکی آن پر مرمٹنے والے آٹھ ہزار راجپوت اور چالیس ہزار جنگی افراد رعایا اس میں چھوڑ کر آپ پہاڑوں میں جا چھپا۔

بادشاہ نے خود قلعہ کا محاصرہ کیا اور رانا کی تلاش کیلیے کوہستانی علاقوں میں فوجیں دوڑادیں۔ بادشاہ نے روپے اور اشرفیوں کے انعامات سے اپنے کاریگروں کو جو قلعے میں سرنگ لگارہے تھے مالامال کردیا اور باوجود اس احتیاط کے کہ مزدور کچے چمڑوں کو سروں پر ڈھال بنا کر کام کرتے تھے پھر بھی دوسو کے قریب بادشاہی آدمی ہر روز ہلاک ہو جاتے تھے۔

بادشاہ نے ایک دیوار کی آڑ میں کھڑے ہوکر روزن سے بندوق زنی شروع کی۔ مورچہ لگانے والوں نے عرض کیا۔ قلعہ کے آدمیوں میں ایک توپچی بڑا نشانہ باز ہے۔ اس کی کوئی گولی اور اس کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا۔ وہ بہت نقصان پہنچا رہا ہے۔ بادشاہ کے ساتھ ہی ایک امیر جلال خاں کھڑا تھا۔ توپچی نے ایسی تاک کر گولی چلائی کہ جلال خاں کے کان کے گوشت کو چھیلتی ہوئی نکل گئی۔ بادشاہ نے کہا وہ نشانہ باز مجھے نظر نہیں آتا ورنہ تیرا انتقام اس سے ضرور لیتا۔

پھر اپنی بندوق کو اس بندوق کی طرف جو روزن میں سے نظر آرہی تھی سیدھا کرکے فرمایا۔ خیر اس سے نہیں تو اس کی بندوق سے انتقام لیتا ہوں۔ بادشاہ نے جوں ہی بندوق سر کی۔ روزن کے اندر کی بندوق نظر نہ آئی اور جب قلعہ فتح ہوگیا تو معلوم ہوا کہ اسی نشانہ

ہے اودے سنگھ کے نشانہ باز کا کام تمام ہو گیا تھا۔ وہ نشانہ باز مسلمان تھا اور اس کا نام اسمٰعیل تھا۔ اور قلعہ کے تمام گولہ اندازوں کا جن میں مسلمان افسروں کی بھی ایک خاصی جماعت[1] تھی افسر اعلیٰ تھا۔

صاحبان بصیرت اب غور کریں کہ اس جنگ عظیم میں ہندو حریف کی فوج میں مسلمان شامل ہیں اور مسلمان حریف کے لشکر میں ہندو فوج کا جم غفیر ہے۔ پھر اس کو ہم مذہبی جنگ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟!

شاہان مغل کا سلوک راجپوت رئیسوں کے ساتھ

سنہ ۱۵۶۴ء میں راؤ چندرسین سے جودھ پور چھین کر اجمیر کے صوبیدار حسین قلی خان نے بادشاہی مقبوضات میں شامل کر لیا۔ سنہ ۱۵۸۱ء میں راؤ چندرسین کا انتقال ہو گیا اور اس کی اولاد کو بادشاہی اطاعت قبول کرنے پر ضلع اجمیر میں بھنائی کی جاگیر ملی لیکن جب راؤ اودے سنگھ نے جو راؤ چندرسین کے خاندان سے تھا اکبر کی خدمت میں حاضر ہو کر فرماں برداری کا حلف اٹھایا تو بادشاہ نے سنہ ۱۵۸۳ء میں اس کا موروثی مقام جودھ پور اس کو عنایت کر دیا۔ بعد میں اسی اودے سنگھ نے جس کو بادشاہ نے راجہ کا خطاب عطا کیا تھا اپنی بہن رانی جودھا بائی کو جو راؤ مالدیو کی بیٹی تھی بادشاہ کے ساتھ بیاہ دیا تو اودے سنگھ کی آمدنی جدید جاگیرات کے اضافہ سے دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔ سنہ ۱۵۹۶ء میں یہ راجہ مر گیا اس کے سترہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے بہت سی بادشاہی خدمات بجا لاتے تھے۔ سورج سنگھ نے تو جودھ پور کا راج حاصل کیا

---

[1] کارنامۂ راجپوتان صفحہ ۱۰۲ مولفہ مولانا نجم الغنی خان رام پوری؛

ایک بیٹے کا نام دلپت تھا۔ اس کے پوتے رتن سنگھ کو صوبہ مالوہ میں ایک جاگیر عطا کی۔ جہاں اس نے رتلام کے نام سے اپنی راجدھانی قائم کی۔ ایک بیٹے کرشن سنگھ نے شاہجہان کو اپنی خدمات سے خوش کر کے ضلع اجمیر میں جاگیر حاصل کی جہاں اس نے اپنے نام پر کشن گڑھ کی ریاست قائم کی۔

راجہ جسونت سنگھ اوّل پر جو سنہ ١٦٣٩ء میں جودھپور کا راجہ بنا تھا شاہجہان بہت مہربان تھا۔ ابھی وہ کم عمر ہی تھا کہ اس کو پنج ہزاری منصب دے کر اپنے ہمراہ کابل لے گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی راؤ امر سنگھ کو ناگور کی جاگیر عطا کی جو اس کی چار پشت کے بعد جودھپور کے مہاراجہ ابھے سنگھ نے ضبط کر لی۔ سنہ ١٦٤٦ء میں شاہجہان نے راجہ جسونت سنگھ کو چھ ہزاری ذات و سوار کا منصب اور سنہ ١٦٥٤ء میں مہاراجہ کا خطاب دیا جو اس وقت تک راجپوتانہ میں کسی کو نہ ملا تھا۔

سنہ ١٦٥٨ء میں جب شاہجہان کے بیمار ہونے پر اس کے بیٹوں میں لڑائیاں ہونے لگیں تو شاہجہان نے دارا شکوہ کی مدد کیلیے مہاراجہ جسونت سنگھ کو پچیس ہزار سوار دے کر بھیجا۔ اس فوج کے علاوہ آٹھ ہزار راجپوت جسونت سنگھ کی ذاتی فوج کے تھے۔ مہاراجہ جسونت سنگھ نے عالمگیر کی افواج کے ساتھ بڑے بڑے مقابلے کئے بعض مقامات پر عالمگیر کو دھوکہ بھی دینا چاہا اور شاہ شجاع کو عالمگیر پر چھاپہ مارنے کے لیے تیار کیا۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ عالمگیر کے مقابلہ میں اس کی سب بھائی ناکام رہے بلکہ مارے گئے۔ جسونت سنگھ بھی شکست خوردہ اپنے وطن کو چلا گیا۔ لیکن عالمگیر کی عالی حوصلگی ملاحظہ ہو کہ اس نے اپنے ہزیمت خوردہ

دشمن کو ۱۶۶۶ء میں نہ صرف اس کا ملک واپس کر دیا بلکہ ہفت ہزاری
منصب دے کر گجرات کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔

شاہزادہ محمد اکبر جو راجپوتانہ جاکر باغی ہو گیا تھا کے فرزندوں
کو جب درگ داس نے بحفاظت تمام بادشاہ کے پاس بھجوا دیا تو
بادشاہ عالمگیر نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر ایک لاکھ روپیہ
انعام۔ میرتیہ کی جاگیر۔ تین ہزاری ذات اور ڈھائی ہزار سوار کا منصب
عطا کیا۔ بلکہ درگ داس ہی کی سفارش سے اجیت سنگھ خلف راجہ
جسونت سنگھ کو جالور کا علاقہ نواب مجاہد خاں کے بیٹے نواب کمال خاں
سے لے کر دے دیا اور نواب کمال خاں کو پالن پور عطا کیا۔

راؤ رائے سنگھ والی بیکانیر اور اکبر بادشاہ اس لحاظ سے کہ دونوں
کی رانیاں راول جیسلمیر کی لڑکیاں تھیں ہم زلف تھے۔ جب راجہ
مان سنگھ جے پوری نے رائے سنگھ کو اکبر کے حضور میں پیش کیا تو اس نے
اس کو چار ہزاری منصب اور راجہ کا خطاب اور صوبہ حصار عنایت کیا
اکبر کے بعد جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی منصب و اعزاز میں وہ
اضافہ کیا کہ اب تک جے پور اور جودھ پور والوں کے سوا اور کسی کو
نہ ملا تھا۔ لیکن جب جہانگیر کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی تو راجہ رائے
سنگھ نتیجہ کا منتظر رہنے کے لیے اپنے وطن کو بھاگ گیا۔ جب خسرو گرفتار
ہو گیا تو اس نے معافی مانگی اور جہانگیر نے اس کو پھر پہلے کی طرح اعزاز و
مناصب عطا کر دیئے۔

کوٹہ کی ریاست بھی جو آج تیس لاکھ روپے کے قریب سالانہ آمدنی
رکھتی ہے کشن گڑھ اور رتلام وغیرہ کی طرح مغل بادشاہوں کی بخشش ہی کا

ایک نشان ہے۔

۱۶۳۲ء میں بوندی کے راؤ رتن کے انتقال پر اس کے دوسرے بیٹے مادھو سنگھ کو شاہجہان نے کوٹہ اور پھلاتیہ کے پرگنے جاگیر میں دے کر ایک علیحدہ ریاست قائم کرا دی۔ شاہجہاں نے اپنے سنہ جلوس میں اس کو علم مرحمت کیا اور دو ہزاری دو ہزار سواری کے منصب پر سرافراز کیا۔ یہاں تک کہ سال ۲۰ جلوس میں منصب چار ہزاری پر پہنچا دیا۔

راؤ مادھو سنگھ اور اس کی اولاد نے ان عزت افزائیوں کے صلہ میں بڑی بڑی بادشاہی خدمات انجام دی ہیں۔

رانا امر سنگھ والئ چتوڑ پر جب جہانگیر نے بسرکردگی شاہزادہ خرم ۱۶۱۵ء میں ایک مہم بھیجی اور رانا بہت سی لڑائیوں اور پریشان حالیوں کے بعد جب امان کا طالب ہوا تو شاہزادہ نے بادشاہ کو تمام حالات سے اطلاع دی بادشاہ نے کہلا بھیجا۔

"ہمارے اسلاف کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ پرانے زمینداروں اور راجوں کی تقصیرات اگر وہ معذرت کریں معاف کر کے فرمان عنایت آمیز سے ان کی دلجمعی کی جائے۔"

چنانچہ جب رانا معافی تقصیرات کی خوشخبری سن کر سلطان خرم کے پاس آیا اور اس کے پاؤں پر جھکنے لگا تو اس نے رانا کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور محبت آمیز باتوں کے بعد اس کو خلعت شمشیر مرصع۔ اسپ مع زین مرصع فیل خاصہ مع سامان نقرئی اور ملبوس خاص عطا کیا۔ چنانچہ شاہزادہ خرم (بعد میں شاہجہان) کی وہ پگڑی جو ملبوس خاص میں تھی۔ اب تک

اودے پور کے میوزیم گلاب باغ میں موجود ہے۔[1]
رانا کے بعد اس کا ولی عہد کرن۔ شاہزادہ کے پاس آیا شاہزادہ نے اس کو بھی خلعت فاخرہ شمشیر و خنجر مرصع۔ اسپ و فیل خاصہ مع زین طلائی عنایت کیا اور اپنے ہمراہ اس کو بادشاہ کے حضور میں لے گیا۔ جہانگیر نے بھی اس کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا۔ وہ اپنی توزک میں لکھتا ہے:۔

"چوں بدست آوردن دلِ کرن کہ وحشی طبیعت مجلس نا دیدہ درکوہستان بسر بردہ بود ضرور بود۔ بنابراں ہر روز مرحمتے تازہ مے نمودم"

بادشاہ اور نورجہاں بیگم اور شاہزادہ خرم نے جو کچھ کرن کو عنایت کیا اس کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ وہ چار مہینہ تک دہلی میں بادشاہ کا مہمان رہا۔ کئی جانوروں اور مالاؤں اور موتیوں کے کنٹھوں اور مرصع خنجروں کے علاوہ دو لاکھ روپیہ نقد۔ سو سے زیادہ گھوڑے اور پانچ ہاتھی مع ساز و سامان لے کر اپنے وطن کو گیا۔

امر سنگھ کی موت (۱۶۲۰ء) کے بعد بادشاہ نے کرن سنگھ کو رانائی کا خلعت و فرمان دیا اور اس کے چھوٹے بھائیوں کو جو شاہی درباریوں میں تھے علیحدہ خلعت عطا ہوئے۔

مغل بادشاہوں کے زوال کے بعد جب بہت سے صوبے خودسر ہو گئے اور مرہٹے بھی قسمت آزمائی کرنے کے لیئے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں

[1] کارنامۂ راجپوتان مصنفہ مولانا نجم الغنی خان رامپوری صفحہ ۱۱۵؎

مارنے لگے تو راجپوتانہ کے رئیسوں کی بھی شامت آئی۔ ہلکر اور سیندھیا ان دونوں نے وقتاً فوقتاً مارواڑ اور راجپوتانہ کے دوسرے رئیسوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ ان کے علاقہ جات بھی اپنے ممالک میں شامل کرلیتے تھے۔ لاکھوں روپے بھی لے جاتے تھے اور جب خانگی فسادات کی وجہ سے کوئی رئیس اپنی مدد پر سیندھیا یا ہلکر کو بلاتا تھا تو اس کا دیوالہ ہی نکل جاتا تھا۔

ایسے ہی واقعات کا ذکر کرنے کے بعد کرنل ٹاڈ مصنف راجستان لکھتے ہیں :۔

"سرداروں نے خود غیروں کو بلاکر ہر معاملہ میں سرپنچ بنایا مرہٹوں کو غارت گری کی عادت تھی وہ خالصہ کا کچھ ملک بھی دبا لیتے تھے اور رعایا و رئیس دونوں کو ستا کر روپیہ بھی حاصل کرتے تھے"۔

مصنف کارنامۂ راجپوتان۔ مندرجہ بالا واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"راجپوتانہ کے تمام سردار اکثر اوقات بادشاہی افواج کے مقابلہ میں شریک حال ہو جاتے تھے۔ لیکن ان بادشاہوں کا دستور العمل یہ تھا کہ شکست خوردہ دشمن کو صلح ہو جانے پر اس کا ملک بھی واپس دے دیتے تھے اور انعام اکرام علیحدہ ہوتا تھا"۔

راجپوتانہ میں شاہ پورا ایک چھوٹی سی ریاست ہے جس پر رانا امر سنگھ اول والیٔ میواڑ کے بیٹے سورج مل کی اولاد حکمران ہے۔ سورج مل کا بیٹا سجان سنگھ ۱۶۲۶ء کے بعد شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے

اس کی خدمات سے خوش ہو کر سنہ ۱۶۳۰ء میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ کی جاگیر بنام پرگنہ پھولیا (میواڑ) میں عطا کی۔ جہاں سجان سنگھ نے شاہجہان کے نام پر شاہ پورا آباد کیا۔ عالمگیر کے بیٹے بہادر شاہ شاہ عالم نے سجان سنگھ کے پوتے بھارت سنگھ کو سنہ ۱۶۳۱ء میں راجہ کا خطاب اور ساڑھے تین ہزاری منصب عطا کیا۔

والیٔ پرتاب گڑھ کے بزرگ شاہان دہلی کے امراء میں سے تھے فرخ سیر کے عہد میں ساوت پرتھوی سنگھ یہاں کا حاکم تھا۔ فرخ سیر اس پر بڑا مہربان تھا۔ اس نے راوت کو راؤ کا خطاب دے کر اپنے شہر میں ٹکسال جاری کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ پرتھوی سنگھ کا سکہ چلتا رہا۔ یہ ٹکسال بعد میں کسی وجہ سے بند ہو گئی۔ عالمگیر ثانی نے پرتاب گڑھ کے سولھویں حکمران راؤ سالم سنگھ کو دوبارہ ٹکسال جاری کرنے کی اجازت عطا کی۔ اس سکہ پر ایک طرف عالمگیر ثانی کا نام بھی ہوتا تھا۔ یہ سالم شاہی روپیہ اٹھارہویں صدی کے آخر تک چلتا رہا۔

سنہ ۹٦۸ھ میں شہنشاہ اکبر اجمیر کی زیارت کو جا رہا تھا کہ ایک مسلمان امیر نے راجہ بھارامل کچھواہہ کی تباہ حالی کا ذکر کیا جو اجمیر کے صوبہ دار مرزا شرف الدین حسین کے ظلم و تشدد سے اپنا ملک آنبیر (جے پور) چھوڑ کر بال بچوں سمیت پہاڑوں میں چھپتا پھرتا تھا۔ صوبے دار نے اس کا ملک بھی دبا رکھا تھا اور اس کا ایک بیٹا جگن ناتھ اور دو بھتیجے اور کئی اور عزیز قید میں ڈال رکھے تھے۔

بادشاہ نے حکم دیا۔ "بھارامل کو پیغام بھیجو۔ وہ بے خوف و خطر ہمارے پاس آئے" راجہ نے پہلے اپنے بھائی کو مع نذرانہ بادشاہ کے پاس بھیجا

پھر سانگانیر کے مقام پر خود حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اس کے حالات سن کر دل داری کی باتوں سے اس کو تسلی دی۔ امرائے خاص میں داخل کیا۔ اس کے بیٹے اور بھتیجوں اور دوسرے عزیزوں کو قید سے چھڑایا اور اس کا ضبط شدہ ملک اس کو واپس دلا کر صوبے دار کو چشم نمائی کی۔

جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد جب خسرو نے بغاوت کی۔ اس وقت راجہ مان سنگھ۔ راجہ بھارامل کچھواہہ کا پوتا بنگال کا گورنر تھا لیکن خسرو کی بغاوت کا سب سے بڑا محرک اسی کو سمجھا جاتا تھا۔ جہانگیر بغاوت خسرو کے دوران میں مان سنگھ کا ذکر کرتا ہوا تزک میں لکھتا ہے:۔

"راجہ مان سنگھ بھی خان اعظم (مرزا عزیز) کی طرح میری سلطنت کے بدخواہوں اور مکاروں میں ہے۔ میں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے خدا جانتا ہے کہ ایسا اور کوئی نہ کرتا۔ صرف اس خیال سے کہ وہ میرے باپ کا بنایا ہوا ہے میں نے اس کے قصوروں پر خیال نہ کر کے اس کے منصب وغیرہ بحال رکھے ہیں"

جے پور کا راجہ جے سنگھ اوّل شاہجہان کے فرزندوں کی لڑائیوں میں ابتدا میں تو داراشکوہ کے ساتھ رہا لیکن آخر میں اورنگ زیب کے ساتھ مل گیا۔ اورنگ زیب نے فتح پانے کے بعد جے سنگھ کو ایک لاکھ روپیہ نقد۔ سات ہزاری ذات و سوار کا منصب اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا کی۔

نواب ٹونک کا ایک راجپوت جاگیردار مہاراجہ جے پور تھا

ریاست جے پور کے ایک جاگیردار

کا چھوٹا لڑکا جس کا نام کنور قائم سنگھ تھا۔ باہمی رنجیدگی کے باعث نواب ٹونک کے پاس آگیا تھا جس نے اس کے گزارے کے لیئے ایک مختصر سی جاگیر اس کو دے رکھی تھی۔ قائم سنگھ کئی سال تک ٹونک کا جاگیر دار رہا نواب ٹونک ہمیشہ اس کے ساتھ اپنے عزیزوں کی طرح سلوک کرتے رہے۔ وہ بھی نواب صاحب کے احسانات کو ہمیشہ دل میں جگہ دیتا رہا آخر جب ۱۸۸۰ء میں مہاراجہ رام سنگھ دوم والیٔ جے پور لاولد انتقال کر گئے تو قائم سنگھ کو جے پور میں بلایا گیا۔ جہاں رانیوں اور سرداروں کے مشورے سے اس کو گود لیئے جانے کی رسم ادا ہوئی اور مادھو سنگھ دوم کے نام سے اس قائم سنگھ کو جو ایک مسلمان ریاست میں معمولی سی جاگیر پائے ہوئے تھا اس جے پور کا مہاراجہ بنایا گیا جو ٹونک سے کئی درجہ بڑی ہے۔ اس مہاراجہ کو ۱۸۸۶ء میں لارڈ ڈفرن نے مسندنشین کیا۔ دو تین سال کا عرصہ ہوا ہے کہ آپ کا انتقال[۱] ہوگیا۔

ہندو لڑکی کے مسلمان محافظ اکال گڑھ (گوجرانوالہ) کی ایک نوجوان شادی شدہ ہندو لڑکی ایک مسلمان زمیندار کی عداوت کی وجہ سے اغوا ہو کر گوجرانوالہ میں ایک سکھ بدمعاش، بردہ فروش کے پاس پہنچی۔ لڑکی کے والدین تلاش کر کے تھک گئے تھے۔ گوجرانوالہ میں شیخ عبدالمجید وکیل اور ایک اور مسلمان کو خبر ہوئی، وہ اپنا وقت بلکہ روپیہ خرچ کر کے وہاں پہنچے۔ جہاں سکھ بردہ فروش نے بشمول دیگر بدمعاشان اس کو اس غرض سے چھپا رکھا تھا کہ موقع ملنے پر اس

---

[۱] کارنامہ راجپوتان صفحہ نمبر ۳۳۔

لڑکی کو کہیں لے جاکر فروخت کر دے مسلمانوں نے اس مکان کا پہرہ رکھا اور لڑکی کے وارثوں کو اطلاع دی۔ چنانچہ شور مچ جانے اور جم غفیر جمع ہو جانے کی وجہ سے اس بردہ فروش نے لڑکی وارثوں کے حوالے کر دی۔

اگر ہندو مسلمان سکھ اور عیسائی آپس میں اسی قسم کی رواداری رکھیں اور ایسے ہی شریفانہ جذبات کا ثبوت دیں تو اغوا کے واقعات بھی کم ہو سکتے ہیں اور مذہبی بدمزگیاں بھی ایک حد تک دور ہو سکتی ہیں۔[۵۱]

نواب صاحب بھوپال ہولی میں ہندوؤں کے ساتھ

ہز ہائی نس نواب محمد حمید اللہ خاں فرماں روائے بھوپال نے ۱۹۲۶ء کی ہولی کے ایام میں شہر کے ہندوؤں کو مدعو کیا اور ہر فرقہ و برادری یعنی برہمن سے لے کر بھنگی تک کو ہولی کھیلنے کا موقع دیا۔ ہندوؤں نے ہز ہائی نس پر گلال اور رنگ چھڑکا اور مالائیں پہنائیں۔ ہز ہائی نس نے بھی ہندوؤں پر گلال وغیرہ ڈالا اور انھیں شیرینی تقسیم کی۔

دوسرے روز شہر کا قاضی ہز ہائی نس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا "آپ کا طرزِ عمل اسلام کے خلاف ہے"۔ آپ نے کہا کہ "اس بات کو مذہب سے کیا تعلق۔ بحیثیت ایک والیٔ ملک کے ہندو اور مسلمان ہماری دو آنکھیں ہیں"۔[۵۲]

---

[۵۱] از اخبار کشمیری لاہور۔ ۲۱ مارچ ۱۹۲۹ء

[۵۲] المنیر۔ ۱۰ اپریل ۱۹۲۶ء

نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی شاہی ہولی!

۱۲ مارچ ۱۹۲۸ء کو دن کے تین بجے نواب سر محمد احمد علی خاں بہادر والیٔ مالیر کوٹلہ نے ہندوؤں کے تہوار ہولی میں شرکت کی۔ پبلک ہزارہا کی تعداد میں دربار ہال میں موجود تھی۔ امراء وزراء اور اہل کاران ریاست بھی شریک محفل تھے۔ نواب صاحب نے دست خاص سے لوگوں پر گلال چھڑکا جس پر جے جے کے نعروں سے دربار ہال گونج اٹھا۔[1]

سکھوں کے متبرک مقام دربار صاحب امرتسر کا بنیادی پتھر حضرت میاں میر نے رکھا!

جہانگیر اور شاہ جہان کے زمانہ میں ایک بزرگ محمد میر نام جن کو حضرت میاں میرا در بالا پیر بھی کہتے تھے لاہور میں گزرے ہیں۔ داراشکوہ حضرت میاں میر ہی کے ایک خلیفہ حضرت مُلّا شاہ بدخشانی کا مرید تھا۔ جب گورو ارجن دیو کو اس سرزمین میں جہاں آج امرت سر آباد ہے امرکنڈ کا پتہ مل گیا تو یہاں آپ نے ۱۵۸۸ء میں ایک تالاب بھی تعمیر کرایا پھر اسی سال مطابق ماگھ سمت ۱۶۴۵ بکرمی کو ایک مندر بنانے کی تجویز کی۔

اپنے عقائد و مذہب کی عبادت گاہ کا بنیادی پتھر رکھنے کے لیئے اپنے مذہب کے کسی بہت بڑے تقدس مآب بزرگ کی تلاش کی جاتی ہے یا دنیاوی نفع کمانے کے لیئے کسی راجہ مہاراجہ یا بادشاہ یا کسی بہت بڑے امیر آدمی کا انتخاب کیا جاتا ہے لیکن گورو ارجن دیو جو اپنے زمانے میں

---

[1] ہربنس لال سکرٹری جین پرچارک منڈل مالیر کوٹلہ از اخبار اگروال ہتیشی لاہور مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۸ء

سکھوں کے سب سے بڑے برگزیدہ رہنما تھے اپنی مذہبی عبادت گاہ کا بنیادی پتھر رکھوانے کے لیۓ کسی متمول ہستی یا کسی سکھ اور ہندو کی طرف نہیں جھکے بلکہ انھوں نے حضرت میاں میر صاحب کو جو مسلمان تھے اپنی مذہبی عبادت گاہ ہر مندر کا بنیادی پتھر رکھوانے کے لیۓ یاد کیا چنانچہ ایک سکھ مصنف۔ تاریخ دربار امرت سر میں لکھتا ہے :-

"تالاب بنوانے کے بعد آپ نے یکم ماگھ سمت ۱۶۴۵ ب مطابق ۱۵۸۸ء کو ہر مندر کا بنیادی پتھر اپنے دوست حضرت میانمیر صاحب کے ہاتھ سے رکھوایا۔ اتفاقاً میانمیر صاحب کے ہاتھ سے وہ بنیادی اینٹ الٹی رکھی گئی جس کو معمار نے اُٹھا کر سیدھا کر دیا۔ اس پر گوروارجن دیوجی خفا ہو کر کہنے لگے۔ ایسے مقدس بزرگ کے ہاتھ کی رکھی ہوئی اینٹ تم نے اٹھائی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ مندر ایک دفعہ تباہ ہو کر پھر نئے سرے سے بنے گا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی کے حملہ ۱۷۶۱ء میں یہ مندر تباہ ہو کر چار سال تک کس مپرسی کی حالت میں رہا"[1]

جب دیوان چندو ل دیوان صوبہ لاہور نے عداوت کی وجہ سے گورو ارجن دیو کو تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کرا دیا تو صوبہ لاہور۔ اور بادشاہ جہانگیر کے پاس جو شخص گوروجی کی رہائی کے لئے تگ و دو کرتا رہتا تھا وہ کوئی سکھ یا ہندو نہیں تھا بلکہ ایک مسلمان تھا اور وہ یہی حضرت میانمیر تھے اور آخر سات ماہ کے بعد انھوں نے گوروجی

[1] تاریخ دربار امرت سر مصنفہ سردار ادھم سنگھ صاحب صفحہ نمبر ۸۴ :

کو رہا کرا کر دم لیا۔

شہنشاہ جہانگیر ایک ہندو جوگی کی کٹیا میں پا پیادہ جاتا ہے

۱۰۲۸ھ کے واقعات میں جہانگیر نے اجین کے مشہور جوگی گسائیں جدروپ کا اپنی تزک میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"گسائیں جدروپ کے نام سے میں کئی سال سے واقف تھا وہ آبادی سے دور ایک گوشۂ صحرا میں رہتا تھا۔ مجھے اس سے ملاقات کرنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ میں کشتی سے اتر کر اور شاہانہ تجمل کو خیرباد کہہ کر پون کوس تک پا پیادہ اس کی ملاقات کو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک غار میں رہتا ہے جسکا طول ساڑھے پانچ گز اور عرض ساڑھے تین گز تھا وہ بہت نحیف البدن تھا۔ اس کے بدن پر صرف ایک لنگوٹی ہوتی تھی اور یہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ غار کے پاس ہی ایک تالاب تھا۔ جہاں وہ دن میں دو مرتبہ نہاتا تھا۔ اس کی خوراک پانچ لقموں سے زیادہ نہ تھی۔ وہ نہ شہرت کا خواہاں تھا اور نہ اس کو کسی سے ملاقات کی خواہش تھی۔ لیکن لوگ جوق جوق اس کے درشنوں کو آتے تھے۔ میں چھ گھڑی تک اس کی صحبت میں رہا وہ دانش سے معمور تھا اور علم بیدانت سے جو علم تصوف ہے خوب ماہر تھا۔ اس کی باتوں سے میرے قلب پر بڑا اثر ہوا"

بادشاہ ایک دفعہ پھر گسائیں جدروپ سے ملا چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"میں سیر کشمیر کے لیے آگرہ سے روانہ ہوا۔ جب متھرا پہنچا تو گسائیں

جدروپ کے وہاں موجود ہونے کی مجھے خبر ملی۔ میں بے تکلف اس کے پاس گیا۔ حق جل وعلا نے اس کو عجیب توفیق عنایت کی ہے۔ فہم عالی و فطرت بلند کے ساتھ عقل خداداد کا ایک خزانہ اس کے پاس ہے اور مال اور طمع دنیا سے بے پروا اور اپنے حال میں مستغنی و بے نیاز ہے۔ میں نے دیکھا کہ اسباب دنیا میں سے آدھ گز لنگوٹی اور ایک مٹی کے برتن کے سوا جس میں وہ پانی پیتا تھا۔ اس کے پاس اور کچھ نہ تھا جب میں اس کے پاس سے رخصت ہوا تو فی الحقیقت اس کی جدائی میرے دل کو نہایت ناگوار گزری۔[1]

---

[1] از تذکرہ رہنمایان ہنود مصنفہ راقم الحروف (جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو امید ہے کہ سنہ ۱۹۳۰ء میں یہ تذکرہ چھپ جائے گا)

باب دوم

ہندوؤں اور سکھوں کے تعلقات مسلمانوں کے ساتھ

کشمیر کے ایک جوتشی کی لڑکی کا ایک مسلمان دودھ بھائی

جس طرح کشمیر کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اپنی تاریخ جب سے وہ آباد ہوا ہے باوجود کئی خونریز واقعات و انقلابات کے اپنے سینے سے لگا کر محفوظ رکھی ہے۔ اسی طرح کشمیر کو اس بات کا بھی فخر ہے کہ مختلف حکومتوں کی تبدیلیوں اور مختلف بادشاہوں کی نرم گرم طبائع اور بیشتر خانہ جنگیوں اور اندرونی فسادات بلکہ بعض اوقات مذہبی تعصبات کی شدت کے باوجود یہاں کے ہندو مسلمان حقیقی اور صحیح معنوں میں شیر وشکر اور چولی دامن کا مصداق رہے ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مادر وطن نے ہمیشہ اپنے ان دونوں فرزندوں کو باوجود ان کی اکثریت واقلیت اور ناداری و تمول اور علم وجہالت کے نمایاں تفاوت کے اپنی دو آنکھیں تصور کیا ہے ان کے شیر وشکر ہونے کا ثبوت آج بھی جب کہ ملک کی بدقسمتی سے

فضائے اتحاد کو صرف تعصب نے مکدر کر رکھا ہے مل رہا ہے چنانچہ اس وقت بھی کشمیر میں یہ دستور ہے کہ کشمیری ہندوؤں کے کئی امیر و شریف خاندانوں میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے کسی مسلمان عورت کو "دودھ ماں" مقرر کیا جاتا ہے۔ بلکہ کشمیری پنڈتوں کی شادیوں میں شیر مادر اور شیر پدر کے نام سے کچھ رسوم یا لاگ مقرر ہے۔ جو لڑکے والوں کی طرف سے دلھن کے دودھ باپ اور اس کی دودھ ماں کو دیا جاتا ہے۔ اس وقت بھی کشمیر میں کئی معزز پنڈت صاحبان موجود ہیں جنھوں نے مسلمان عورتوں کے دودھ سے پرورش پائی ہے۔ باہمی اتحاد و اعتماد کی یہ وہ لاجواب مثال ہے جو سارے ہندوستان میں چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے بھی نہ مل سکے گی۔

مسلمان دودھ ماں کے فرزندوں کے ساتھ ان کے پنڈت بھائی ہمیشہ بھائیوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔

یہاں عہد محمد شاہی کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جو موجودہ زمانہ کے ہندو مسلمانوں اور دیگر اقوام کے لیے جو ایک دوسرے کا لہو بہانے کے لیے خنجر بکف رہتی ہیں یقیناً سبق آموز ہوگا۔

پنڈت جے رام بھان نے جب دہلی میں عروج حاصل کیا اور دربار شاہی میں اس کی بڑی عزت ہونے لگی تو اس نے اپنی ماں اور بیوی کو بلانے کے لیے کشمیر میں اپنے معتبر بھیجے۔ جے رام بھان کی بیوی ایک جوتشی کی بیٹی تھی جس کے گھر اس کی ماں اپنی غریبی کے ایام میں آب کشی کا کام کیا کرتی تھی۔ جوتشی نے جے رام کی اقبال مندی کا حال اپنے علم کے زور سے معلوم کر کے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دی تھی۔

"کشمیری پنڈت" کا مصنف لکھتا ہے کہ ساس اور بہو کے ساتھ جوتشی نے اپنی بیٹی کے "دودھ بھائی" برکت لون کو بھیجا۔ جب یہ قافلہ دہلی پہنچا تو چند دنوں کے قیام کے بعد جے رام سے اس کی والدہ نے کہا کہ برکت لون تمہاری بیوی کا بھائی ہے اور لکھا پڑھا ہے اور فہمیدہ ہے اس کو بھی دربار میں کسی جگہ پر مقرر کرا دو۔

جے رام نے جب برکت لون کا امتحان لیا تو اس کو ایک قابل اہل کار پایا۔ وہ اس کو دربار ہی میں کسی اسامی پر لگا سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے اہل وطن کو اپنا اقتدار دکھانے اور اپنی ماں اور بیوی کو خوش کرنے اور کشمیر پر ایک کشمیری ہی کو حکمراں بنانے کے لئے برکت لون کی سفارش بادشاہ سے کی۔ بادشاہ نے اس کو ابوالبرکات خاں کا خطاب دے کر کشمیر کا گورنر مقرر کیا۔

ابوالبرکات خاں عرف برکت لون بڑے جاہ وجلال کے ساتھ دہلی سے روانہ ہوا۔ لکھا ہے کہ روانگی کے وقت پانچ سو سوار بطور باڈی گارڈ اس کے ہمراہ کیے گئے۔ کیا یہ ایام گزشتہ ہندوستان میں پھر پلٹ کر نہیں آسکتے ہیں؟

صحبتیں
یاد آئی ہیں جب اگلی
پھر دل رو یا ہوں میں دلکو تھام کر

سکھوں کی متبرک کتاب گرنتھ صاحب میں مسلمان صدفیاء کا کلام

گورونانک صاحب جو سکھوں کے سب سے پہلے گرو اور سکھ مذہب کے بانی ہیں ہندوستان کے اسلامی عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ لودھی خاندان کے بادشاہ اور بابر بانی سلطنت مغلیہ ہمیشہ آپ کی عزت کرتے رہے۔ آپکے دوربانی تھی

جو مسلمان تھے۔ جن کے نام بالا و مردانہ تھے۔

گورو ارجن صاحب کے زمانے تک گورو صاحبان کے ربابی مسلمان ہی تھے۔ سکھوں کا اصل گرنتھ صاحب جس کا نام آدھ گرنتھ ہے۔ گورو ارجن صاحب ہی نے ترتیب دیا ہے۔ اس میں گورو صاحبان کی شبدوں اور بعض ہندو صوفیوں کے شبدوں کے علاوہ مسلمان صوفیا کا کلام بھی درج ہے۔ جن میں بھگت کبیر۔ شیخ فرید۔ سدھنا قصاب اور علیم ایک مسلمان صوفی شاعر کے کلام کو خاص وقعت دی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر مختلف مذاہب کے بہتر تعلقات اور دل خوش کن اتحاد کی اور کہاں مثال مل سکے گی؟!

سیواجی مرہٹہ کے بزرگوں کے تعلقات مسلمانوں اور مسلمان بادشاہوں کے ساتھ

سیواجی کے دادا کا نام مالوجی تھا اور وہ شاہ شریف صاحب کا جن کا مزار احمد نگر (دکن) میں ہے نہایت معتقد تھا۔ وہ جب تک زندہ رہے مالوجی ہندو ہونے کے باوجود ان کی روزانہ حاضری دیتے رہے اور دلی ارادت مندی سے ان کی خدمت کرتے رہے۔ مالوجی نے اپنے بیٹوں کا نام شاہ صاحب کے تعلق کی وجہ سے شاہ جی اور شرف جی رکھا۔ یہی شاہ جی آگے چل کر ساہو جی کے لقب سے ملقب ہوا اور یہی ساہو جی ہے جو سیواجی کا باپ تھا۔

ساہو جی نے سب سے پہلے نظام شاہی دربار میں توسّل حاصل کیا سنہ ۱۰۳۰ھ میں وہ اور اس کا خسر جادو راے، جہانگیر کے فوجی سرداروں میں شامل تھے۔ چنانچہ اسی زمانے میں اس کو پنجہزاری منصب ملا اور اس کے تمام خاندان کو حسب مراتب عہدے ملے۔

اس کے بعد ۱۰۳۷ھ میں جب شاہجہان بادشاہ ہوا اور ساہوجی جو نظام شاہ دکن کے دربار میں چلا گیا تھا۔ شاہ جہاں کے دربار میں آیا تو اس کو پنج ہزاری منصب کے علاوہ خلعت۔ اسلحہ مرصع۔ علم نقارہ۔ اسپ فیل اور دو لاکھ نقد انعام میں ملے۔

ساہوجی کے دو نسبتی بھائیوں نے بھی جن کے نام بہادر و جگدیو تھے پنجہزاری و چارہزاری منصب حاصل کیے[1]۔

راجگان جموں اور تعمیرات مساجد

باہولوچن اور جامبولوچن دو بھائی تھے۔ باہولوچن نے دریائے توی کے ایک کنارے پر جو چھوٹی سی پہاڑی ہے ایک قلعہ بنایا اور ایک گاؤں باہونگر کے نام سے آباد کرکے وہاں اپنا راج قائم کیا۔ جامبولوچن نے توی کے دوسرے کنارے پر جامبونگر کے نام سے ایک مختصر سی پہاڑی پر ایک شہر آباد کیا۔ یہی جامبونگر آج کل جموں کہلاتا ہے۔

جب راجہ کشن دیو والئ باہو کے زمانے میں شاہ سلیم اس طرف سیاحت کے لیے آیا تو راجہ کشن دیو نے اس کے اور اس کے ہمراہیوں کی عبادت کے لیے اپنے اخراجات سے اس قلعہ کے پاس ہی ایک مسجد تعمیر کرائی وہ مسجد آج تک موجود ہے۔ لیکن اب اس میں بارود کا ذخیرہ رہتا ہے[2]۔

راجگان جموں میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر۔ ہری دیو کے نام سے ایک نامی راجہ ہو گزرا ہے۔ وہ بادشاہ کے حکم سے دکن کی مہم پر بھی گیا اور وہیں

[1] اورنگ زیب عالمگیر از مولانا شبلی مرحوم صفحہ ۷۷

[2] تاریخ راجگان جموں و کشمیر حصہ اول صفحہ ۱۲ مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ صاحب بلاوریہ مورخ جموں۔

مع اپنے ہمراہی سرداروں کے بادشاہ کی خدمات بجالاتا ہوا ۱۷۲۹ء بسنہ اب میں مارا گیا۔ راجہ گج سنگھ اس کا بیٹا تھا۔ بادشاہ نے اس کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ گجے سنگھ کے عہد میں جب اورنگ زیب کا ایک سردار خلیل خاں جموں آیا تو راجہ نے اس کی بڑی خاطر کی اور اس کے ڈیرہ کے قریب ایک بازار تعمیر کرایا اور نام اس کا اُردو بازار رکھا۔ چونکہ اس زمانے میں یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت کم تھی۔ اس لئے بادشاہی سردار اور اس کے ہمراہیوں کی خاطر راجہ نے قلعہ مست گڑھ میں ایک مسجد تعمیر کرائی[۲] جو آج تک موجود ہے[۱]۔

سری نگر کشمیر میں سلطان سکندر بت شکن کی بنا کردہ ایک مسجد ہے جس کی قریبًا ہر مسلمان بادشاہ کشمیر حسب ضرورت مرمت کرتے رہے۔ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ آنجہانی والی جموں و کشمیر کے آخری ایام حکومت میں یہ عالیشان جامع مسجد بہت خستہ حال تھی۔ شیخ مقبول حسین صاحب سی آئی۔ ای۔ ریونیو منسٹر نے مہاراجہ آنجہانی کو اس طرف توجہ دلائی۔ مہاراجہ نے دس ہزار روپیہ نقد اور چالیس ہزار روپے کی لکڑی تعمیر و مرمت مسجد کے لیے دی اور بہ مشورہ ریونیو منسٹر صاحب زمینداران کشمیر کو حکم دیا کہ وہ تا اختتام تعمیر و مرمت مسجد دو پیسہ فی روپیہ سرکاری مالیہ کے

---

۱ تاریخ راجگان جموں و کشمیر حصہ اول صفحہ ۶۹ مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ صاحب بلاوریہ مورخ جموں۔

۲ یہ قلعہ آج کل شہر جموں کے عین درمیان ہے اور ایک محلہ بن گیا ہے۔ زمانہ ماسبق میں قلعہ باہو کے بالمقابل اس کو برائے حفاظت شہر بنایا گیا تھا۔

ساتھ ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ گیارہ لاکھ روپے کی کثیر رقم سے دنیا کی یہ بنیظیر مسجد بعہد مہاراجہ سر ہری سنگھ موجودہ فرماں روائے جموں وکشمیر، پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

رانا سانگا کا سلوک ایک مسلمان قیدی بادشاہ کے ساتھ

رانا سانگا جس کو سنگرام سنگھ اول بھی کہتے ہیں بابر کے ساتھ مردانہ وار جنگ کرنے کی وجہ سے ہندوستان کی تاریخ میں درجہ اختصاص رکھتا ہے۔ ۱۵۰۹ء میں اس نے چتوڑ کا راج حاصل کیا۔ راجپوتانہ کا بڑا حصہ اس کے قبضہ میں تھا۔

۱۵۲۰ء مطابق سمت ۱۵۷۶ بکرمی کا ذکر ہے۔ مالوہ کے محمود ثانی نے میواڑ پر حملہ کیا اور کسی غلطی سے زخمی ہو کر وہ قیدیوں کے زمرے میں آگیا رانا سانگا نے اس کی بڑی عزت کی اور رخصت کے وقت ایک ہزار سوار دے کر اس کو مانڈو کی طرف بھیجا جو اس کا دارالخلافہ تھا جہاں اس نے اس فوج کی مدد سے دوبارہ حکومت حاصل کی[۱]

اس رانا کے زمانے میں گجرات و مالوہ کے بادشاہوں میں ہمیشہ لڑائیاں رہتی تھیں۔ سلطان مظفر شاہ گجراتی کی وفات کے بعد اس کے دو شاہزادے چاند خاں اور ابراہیم خاں رانا سانگا کے پاس اپنی حفاظت کے لیے چلے آئے جو اپنے بڑے بھائی بہادر شاہ کے جلوس پر واپس لے گئے۔

راجپوت راجاؤں کی وفاداریاں اپنی قوم کے مقابلہ مغلوں کے ساتھ

مغل بادشاہوں نے بھی اپنے زمانہ میں ہندو رعایا اور بالخصوص راجپوت راجگان ہند پر

[۱] تاریخ کارنامہ راجپوتان صفحہ نمبر ۸۱

عنایات خسروانہ مبذول رکھی ہے۔ لیکن راجپوت راجاؤں نے بھی اظہار نمک حلالی ووفاداری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی یہاں تک کہ جب کبھی کسی راجپوت رئیس کے استیصال کی ضرورت کسی بادشاہ کو محسوس ہوئی ہے تو راجپوت راجاؤں نے بادشاہی مسلمان افواج کے پہلو بہ پہلو مردانگی وشجاعت کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ ہند اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ہم مختصراً چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں ۔

سنہ ۱۶۱۵ء میں جہانگیر نے رانا امر سنگھ والی چتوڑ کی تادیب کے لیئے اپنے بیٹے سلطان خرم (بعد میں شاہ جہان) کی سرکردگی میں سلمان امراء کے ساتھ جن ہندو امراء کو بھیجا ان میں چند نام حسب ذیل بھی تھے۔ رانا اودے سنگھ کا بیٹا راناساگر۔ بوندی کا راؤرتن ہاڈا کشن سنگھ راٹھور (جس نے بعد میں کشن گرھ کی ریاست آباد کی) راجہ سورج سنگھ جودھپور۔ سورج مل ولد باسو۔ راجہ بکرماجیت بھدوریہ۔ رائے سندرداس جو بادشاہ کا ایک امیر تھا۔ اس کو خبر ملی کہ رانا کا اہل وعیال سروہی میں ہے۔ وہ سروہی گیا۔ لیکن رانا کا اہل وعیال کسی اور جگہ جاچھپا تھا۔ رائے سندرداس نے راجپوتوں کے قتل وغارت اور ان کے اسیر کرنے میں نمایاں کام کیا بلکہ ان بت خانوں کو بھی خراب کیا جن میں راجپوت جاچھپے تھے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اس نے بادشاہ کے حقوق کی پاسداری کے مقابلہ میں اپنے آئین وکیش کا کچھ خیال نہ کیا ؎

بہ دلہا چناں مہر او خانہ ساخت
کہ ہندو بہ تخریب بت خانہ ساخت

بادشاہ نے بھی اس کی خدمات کی قدردانی کی۔ پہلے رائے رایاں کا

اور بعد میں راجہ بکرماجیت کا خطاب دیا۔

مہاراجہ جسونت سنگھ (جودھ پور) سیواجی کے استیصال کے لیئے ۱۶۶۵ء میں عالمگیر کی طرف سے روانہ ہوا تھا لیکن جب جسونت سنگھ کی مہم کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو بادشاہ نے راجہ جے سنگھ (جے پور) کو سپاہ کثیر اور زبردست توپ خانہ کے ساتھ پونہ کی طرف بھیجا اس کی امداد پر مسلمان رؤسا، و امراء کے علاوہ مندرجہ ذیل ہندو رؤسا بھی مع اپنی افواج کے شامل تھے۔ راجہ سجان سنگھ بندیلہ۔ کیسری سنگھ۔ راجہ نرسنگھ گوڑ۔ اچل سنگھ۔ راجہ رائے سنگھ سیسوڈیہ۔ اندرمل بندیلہ۔ متر سین امر سنگھ چونڈاوت۔ پورن مل بندیلہ۔ راجہ جے سنگھ کی ذاتی فوج جس میں سب راجپوت ہی تھے چودہ ہزار تھی۔

آخر جب کامل شکست کے بعد سیواجی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور بادشاہ کو راجہ جے سنگھ کی اس کارگزاری کا علم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جے سنگھ نے سیواجی اور اس کے بیٹے سنبھاجی کا حفظ مراتب ملحوظ رکھا ہے اور خلعت وغیرہ سے ان کا اعزاز کیا ہے تو راجہ کا منصب ہفت ہزار ذات وہشت ہزار سوار دواسپہ سہ اسپہ تک بڑھایا خلعت خاص اور شمشیر خاصہ اور ہاتھی نقرہ سامان اس کے استقبال کو بھیجا۔ اس کے بیٹے رام سنگھ کو جو حاضر دربار تھا خلعت اور مرصع زیور اور ایک ہتنی بخشی اسی طرح راجہ رائے سنگھ۔ راجہ سجان سنگھ اور راجہ کیرت سنگھ بیکانیری وغیرہ کے منصب واعزاز میں اضافے کیئے۔

مہاراجہ ہری راؤ ہلکر ۱۸۳۴ء میں مسند نشین ہوئے اکتوبر ۱۸۴۳ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے مرنے پر	مہاراجہ گوالیار کی عقیدت تعزیہ اور گیارہویں سے

مسلمانوں نے ہندوؤں سے بھی زیادہ ماتم کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ رعایا کے ہر فرقہ سے یکساں سلوک کرتے تھے۔ ان کی ریاست کے عہدے کیا ملکی اور کیا فوجی دونوں قوموں کے لیے وقف تھے۔ وہ اپنے مذہب کے پورے پابند تھے اور اسی لیے کسی دوسرے مذہب کو بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ محرم کے عاشورہ میں وہ سب عیش اپنے آپ پر حرام کر لیتے تھے مسلمانوں سے علیحدہ اپنا تعزیہ بناتے اور اس پر ہزارہا روپے خرچ کر دیتے تھے۔ خود تعزیہ خانہ میں آتے۔ مرثیے سنتے اور دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ درددل کے ساتھ روتے تھے۔

جب تعزیہ اُٹھتا تھا تو یہ والاجاہ مہاراجہ خود چند قدم تک تعزیہ کو کندھا دیتا تھا اور سیوم کے دن ہزارہا مسلمانوں کو مہاراجہ کی طرف سے کھانا کھلایا جاتا تھا اور اس تقریب پر چھاؤنی ریزیڈنسی تک کے مسلمان بلوائے جاتے تھے۔

مہاراجہ ہری راؤ ہر مہینے گیارھویں کرتے تھے اور اس کو بڑے پیر کی نیاز کہتے تھے۔ فقرا اور مساکین پیٹ بھر کے کھانا کھاتے تھے اور اس بے تعصب مہاراجہ کو ترقیٔ اقبال۔ درازیٔ عمر اور توفیق ازدیاد کی دعائیں دیتے تھے۔

ایک سکھ کی طرف سے محفل میلاد نبوی

گونڈہ (یو۔پی) کے پرگنہ سنکاپور میں ایک معزز پنجابی سکھ سردار اوتار سنگھ جنگلات کے ٹھیکہ دار ہیں ان پر حاکم پرگنہ کی عدالت میں جعلی نوٹوں کا ایک بے بنیاد مقدمہ دائر تھا۔

ا؎ از تاریخ۔ مالوہ صفحہ نمبر ۹۵۳ سنہ تصنیف ۱۲۸۹ھ

ابتدائی عدالت میں تو یہ بری ہو گئے لیکن پولیس نے عدالت سشن میں اپیل کر کے پھران کو مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ سردار صاحب نے دوران مقدمہ میں اپنی حسن عقیدت سے بری ہو جانے پر محفل میلاد رسول کریم کی منت مانی تھی۔ چنانچہ بری ہو جانے کے بعد آپ نے ۱۴ر جنوری ۱۹۲۸ء کی شب کو اپنے ہیڈ کوارٹر مقام سکنوان پر اس دھوم دھام کے ساتھ محفل میلاد منعقد کی کہ اس علاقہ کے مسلمانوں میں بھی اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ ایک ہزار آدمیوں کا مجمع تھا اور روشنی وغیرہ کا اعلیٰ انتظام تھا۔[۱]

مسلمان آقا کی خاطر ایک ہندو کی مال و جان سمیت قربانی

آدینہ بیگ حاکم دوآبہ جالندھر کے بیٹے جعفر بیگ نے جب دیکھا کہ سکھ امرتسر سے کوچ کر کے جالندھر کی طرف قدم اٹھانے لگے ہیں تو اس نے اپنے مدارالمہام بشمبر دیال کے ذریعے ان کو اس حرکت اور خواہ مخواہ کی چھیڑ سے منع کیا لیکن سکھوں نے اس کے پیغام کی کوئی پروانہ کی۔ اور بے محابا اس کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ بشمبر دیال بھی فوج لے کر میدان میں نکلا۔ بٹالہ میں یا بٹالہ کے متصل فریقین کا مقابلہ ہوا گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ طرفین سے کئی آدمی مارے گئے۔ بشمبر دیال بھی اپنے مسلمان آقا پر قربان ہو گیا۔ اس کا تمام مال و اسباب سکھوں نے ضبط کر کے علاقہ جالندھر میں تاخت و تاراج شروع کر دیا۔[۲]

---

[۱] از اخبار کشمیری لاہور ۲۸ر جنوری ۱۹۲۸ء۔

[۲] از تاریخ گورو خالصہ۔

جموں کے راجہ کا سلوک بیگم شاہ دہلی کے لٹے ہوئے قافلہ کے ساتھ

محمد شاہ بادشاہ دہلی کی ایک بیگم اپنی لڑکی کی بیماری کی خبر سن کر کابل جا رہی تھی اور چونکہ اس کی ایک ہی لڑکی تھی اور وہ کابل میں بیاہی ہوئی تھی اس لیئے بیگم دہلی کو ہمیشہ کے لیئے الوداع کہہ رہی تھی۔ بقول شاعر ؎

اب کا سفر وہ ہے کہ نہ دیکھونگا پھر وطن
یوں تو میں لاکھ بار غریب الوطن ہوا

یہی وجہ تھی کہ اس سفر میں اس کے ساتھ بے انتہا خزانہ تھا۔ جب وہ پنجاب میں داخل ہوئی۔ جہاں سکھ ایسے مال دار قافلوں کے انتظار میں گھڑیاں گنتے رہتے تھے تو سکھوں نے اس کو گھیر لیا اور نواح سیالکوٹ میں اس غریب الدیار زنانہ قافلہ کو بے سروسامان کر دیا ؎

اس رنج بے کسی کی یارب خبر نہ پہونچے
جائے نہ شام غربت سر پیٹتی وطن میں

اس زمانے میں جموں میں راجہ رنجیت دیو حکمران تھا اس کو خبر ہوئی۔ ُسنے غارت گروں پر بڑی لعنت ملامت کی اور ملکہ کے لیئے ہر قسم کا سامان ڈولیاں۔ شاہانہ سواریاں اور رسد وغیرہ بھیج کر اس کو جموں آنے کی دعوت دی۔ جب ملکۂ دہلی کی سواری جموں آئی تو بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ کئی دن تک مہمان رکھا بلکہ کابل تک کا سامان از سر نو تیار کرا دیا۔ ابھی ملکہ جموں کی حدود سے باہر ہی نکلی تھی کہ اس کو اپنی لڑکی کی نعش لائے جانے کی خبر ملی جو افغانوں کے پہرے میں اس کی وصیت کے مطابق دہلی لائی جا رہی تھی چونکہ نعش کے ساتھ بھی نقد و جنس کافی موجود تھا۔ لٹیروں نے مُردہ کے ساتھ بھی لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ نعش

کے ہمراہ روتی پیٹتی پھر جموں آئی راجہ نے بہت سا روپیہ اور ایک مضبوط فوج دے کر اسے دہلی روانہ کیا۔ بادشاہ نے رنجیت دیو کے اس احسان کا بخلوص دل شکریہ ادا کیا۔[1]

یہ وہ زمانہ تھا کہ سکھوں کا کوئی مستقل بادشاہ نہیں تھا۔ اسی بے راہ روی کی وجہ سے وہ ہر قافلہ کو۔ ہر گز ورقوم کو۔ ہر گزر ور حاکم کو خواہ وہ کسی مذہب کا ہوتا لوٹ لیتے تھے اور جب تک مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں اپنی مستقل حکومت قائم نہ کر لی۔ اس قسم کی لوٹ مار برابر جاری رہی۔

شاہ شجاع اور اس کے قبائل کو ہندوؤں نے رنجیت سنگھ سے نجات دلائی

افغانستان کا مشہور بدقسمت بادشاہ شاہ شجاع زمانہ کی نیرنگیوں سے تنگ آکر ۱۸۶۹ء میں لاہور آیا۔ رنجیت سنگھ نے شاہدرہ تک اپنے ولی عہد کھڑک سنگھ کو استقبال کے لئے بھیجا۔ مبارک حویلی رہنے کو دی۔ جب معلوم ہوا کہ کوہ نور ہیرا اس کے پاس ہے تو اس کے حصول کی کوشش شروع کی۔ اور شاہ شجاع کے انکار پر تشدد کا بازار گرم کیا۔ یہاں تک کہ تین روز تک بادشاہ کے باورچی خانے میں کھانا پکانے کی اجازت نہ ہوئی اور باہر پہرہ بیٹھ گیا کہ کوئی چیز کھانے پینے والی اندر نہ جانے پائے تین دن کی شبانہ روز بھوک کے عذاب سے سب لوگ نیم جان ہو گئے جب بادشاہ نے دیکھا کہ جان کا بچنا محال ہے تو مہاراجہ کو پیغام بھیجا کہ خود آؤ اور ہیرا لے جاؤ۔ چنانچہ مہاراجہ مبارک حویلی میں گیا اور ہیرا

[1] از مرض تعصب کا علاج صفحہ نمبر ۲۷ و ۲۸۔

لے کر پوچھا "یہ آخر کس قیمت کا ہوگا؟" بادشاہ نے کہا "اس کی قیمت جوتی ہے۔ میرے بزرگوں نے جوتیوں کے ذریعہ حاصل کیا تم نے بھی مجھ سے جوتی ہی کے ذریعے چھینا۔ اب کوئی اور زبردست آئیگا۔ وہ بھی تم سے جوتیوں ہی کے زور سے لے جائے گا۔"

اس کے بعد مہاراجہ کو معلوم ہوا کہ شاہ کے پاس جواہرات بھی ہیں وہ بھی طلب کیے گئے۔

شاہ نے جواب میں کہلا بھیجا۔ یہ کس ملک کا دستور ہے کہ کوئی فلک زدہ بادشاہ اپنے ملک وحکومت سے بے دخل ہو کر بطور مہمان کسی اور بادشاہ کے ملک میں آئے تو اس کو لوٹ لیا جائے۔ بادشاہ کو بادشاہ کے ساتھ بادشاہوں جیسا ہی سلوک کرنا چاہیئے۔

اس کے جواب میں مہاراجہ نے شاہ کے مکان پر سکھوں کا زبردست پہرہ مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ بادشاہ کو ہر صورت تنگ کیا جائے اور جواہرات حاصل کیئے جائیں۔

بادشاہ لاہور سے فرار ہونا چاہتا تھا لیکن کوئی سبیل ہاتھ نہ آتی تھی بعض نیک دل ہندو بھی بادشاہ کے ساتھ جو سلوک ہو رہا تھا اسے پسند نہیں کرتے تھے!

جب سکھ عورتیں بیگمات شاہی کی تلاشی کے لیئے مبارک حویلی میں زبردستی داخل ہوگئیں اور انھوں نے خاندان شاہی کی خاتونوں کی اس قدر بے حرمتی وبے آبروئی کی جس کے لکھنے سے قلم بھی آنسو[1] بہاتا ہے

[1] تاریخ پنجاب مصنفہ رائے بہادر کنھیالال مطبوعہ ۱۸۸۱ء صفحہ ۶۳۶۔

تو تمام زیور اور جواہرات مہاراجہ کے حوالے کر دیئے گئے۔
اس عبرت انگیز اور شرمناک واقعہ کا لاہور کے لوگوں پر بڑا اثر پڑا۔ مسلمان اور ہندو سب اس مظلوم بادشاہ سے ہمدردی کرنا چاہتے تھے لیکن حکومت کے خوف سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔
اس خانہ تلاشی کے بعد بھی سکھوں کا پہرہ مبارک حویلی پر بدستور قائم تھا اور بادشاہ سخت مصیبت میں گھرا ہوا تھا۔ اب اسے یہ اندیشہ تھا کہ اگر کسی نے مہاراجہ کو یہ کہہ دیا کہ اس کے پاس اور بھی جواہرات ہیں اور جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے ان کا ملنا ناممکن ہے تو کیا تعجب ہے کہ مجکو قتل بھی کرا دیا جائے۔
یہ زر پرستی و زر طلبی کا زمانہ تھا۔ بادشاہ پہرہ والوں کو روپیہ اور انعام وغیرہ دے کر خوش کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہرہ والوں نے نرمی اختیار کر لی اور بادشاہ کے پاس بے روک ٹوک آدمی آنے جانے شروع ہو گئے۔
ایک ہندو کشن چند نام بادشاہ کے ان مصائب سے بہت متاثر تھا اس کی تجویز سے ہندو عورتوں کا مبارک حویلی میں آنا جانا شروع ہو گیا چنانچہ ایک دن شاہی بیگمات کو ہندو عورتوں کا لباس پہنایا گیا اور جب وہ حویلی سے باہر آئیں تو کسی نے ان کو شناخت بھی نہ کیا۔ اس طریق سے شاہ شجاع کی خواتین بہلی کی سواری کے ذریعے لاہور سے لدھیانہ پہنچ گئیں۔
جب کپتان برج اسسٹنٹ ریزیڈنٹ لدھیانہ کو خبر ہوئی تو وہ خود دریا تک استقبال کو گیا اور انھیں عزت و احترام کے ساتھ لایا۔

دو ہفتہ کے بعد شاہ شجاع بھی ہندو خدمت گاروں کی ہی مدد سے اس رات جب تاریکی کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ فراشخانہ کی دیوار کو جو کوچہ کی طرف تھی توڑ کر مبارک حویلی سے نکلا اور بڑی تکلیفوں[۱] اور مصیبتوں کے بعد رات کے دو بجے دریائے راوی کو تیر کر پار چلا گیا اور ایک زمیندار کے چھکڑے پر بیٹھ کر شام کو گوجرانوالہ پہنچا۔ وہاں سے سیالکوٹ۔ جموں کشتواڑ۔ کلو۔ سپاٹو وغیرہ سے ہوتا ہوا لدھیانہ جا نکلا۔ جہاں ایجنٹ ریزیڈنٹ نے پہلے تو شاہی ساز وسامان اس کے پاس بھجوایا۔ پھر شاہانہ استقبال کر کے اس کو لدھیانہ میں لایا۔

ایک ہندو نے ایک مسلمان کو پھانسی کی سزا سے بچایا

ہوشیار پور کے ہندو و مسلمانوں کے تعلقات بعض مذہبی مناقشات کی وجہ سے ۱۸۸۴ء ہی سے کشیدہ چلے آتے تھے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۶ء کو دسہرہ اور محرم کے تیوہار ایک ہی تاریخ میں آ گئے۔ دلوں میں غبار بھرے ہوئے تھے کسی نہ کسی صورت فساد ہو گیا جس میں ایک ہندو مارا گیا اور کئی لوٹے گئے۔

شیخ مہر علی یہاں کے سر کردہ رئیس تھے۔ مقامی حکام اور پولیس کی مخالفت کی وجہ سے ان پر اور تین دوسرے مسلمانوں پر قتل اور لوٹ مار کا مقدمہ قائم ہوا۔ شیخ مہر علی کو سشن جج نے تین جرموں میں آٹھ سال قید۔ تین ہزار روپیہ جرمانہ اور پھانسی کی سزا کے علاوہ ضبطی جائداد کا حکم دیا۔ ان کے دوسرے ساتھیوں کو بھی قید اور حبس دوام کی سزائیں ملیں۔

---

[۱] ان تکلیفوں اور مصیبتوں کی مفصل کیفیت تاریخ لاہور اور تاریخ پنجاب میں درج ہے جو بڑی ہی دردناک اور بے حد عبرت انگیز ہے۔

شیخ مہر علی کی طرف سے کئی وکیل تھے۔ ایک مسلمان۔ ایک انگریز اور ایک ہندو بھی تھا۔ ہندو وکیل کا نام بابو دسوندھی رام تھا۔ ان کا بیان ہے کہ:۔

"مہر علی[1] میرا دوست تھا لیکن دوستی کے علاوہ اس کی بے گناہی نے جس کا مجھے پورا یقین ہے میری رگِ ہمدردی میں حرکت پیدا کی اور میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ بے گناہ مسلمانوں کو جو سزا ہوئی ہے ان سے ہمدردی نہ کروں۔ اس لیے میں نے سچائی و ہمدردی کے مقابلہ میں اپنی قوم کی کچھ پروانہ کر کے شیخ مہر علی کا ساتھ دیا۔"

بابو دسوندھی رام کو بے گناہ کی حمایت کا سودا بہت مہنگا پڑا۔ اُن کے[2] کئی ہم مذہبوں نے ان کے ساتھ سخت قسم کی ضد اور کاوش شروع کر دی ان کے نہایت قریبی عزیزوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ مگر یہ شیر دل اور جوانمرد شخص ان تمام مشکلات کے نرغے میں کمال استقلال کے ساتھ حق کی حمایت پر ثابت قدم رہا۔

آخر آٹھ ماہ کی پریشانی اور بیس ہزار روپے کے اخراجات کے بعد چیف کورٹ پنجاب سے (بعدالت بی۔ ایچ۔ پول جج۔ و ایچ ایم پلوڈن جج) شیخ مہر علی اور ان کے دوسرے ساتھی بعزت تمام بری ہو گئے۔

کیا آج بھی ایسے انصاف دوست اور بے تعصب افراد ملک میں

---

[1] از جواب ایڈریس انجمن اسلامیہ گجرات جو ۱۹ رمئی ۱۸۸۷ء کو بابو صاحب نے بمقام گجرات دیا۔

[2] از اخبار رفیق ہند۔ لاہور۔ ۸ رمئی ۱۸۸۷ء و کتاب مقدمہ شیخ مہر علی۔

مل سکتے ہیں ؟

ایک مسلمان بزرگ کے مزار پر سکھوں کی عقیدت مندی

سلطان بہلول لودھی کے عہد میں حضرت شیخ صدر الدین صدر جہاں سہروردی ایک باعمل صوفی گزرے ہیں۔ مالیر کوٹلہ کا حکمران خاندان اسی بزرگ کی اولاد سے ہے۔ حضرت شیخ کا عرس ہر سال ہوتا ہے اور علاوہ مسلمانوں کے پچاس ساٹھ ہزار سکھ بھی جو حضرت سے عقیدت قلبی رکھتے ہیں عرس پر آتے ہیں مزار مالیر کوٹلہ ہی میں ہے۔ سکھ آپ کو شیخ صدو کے نام سے پکارتے ہیں اور آپ کی بہت سی کرامتیں بیان کرتے ہیں۔ نوچندی جمعرات کو بھی شیخ کی درگاہ پر سکھ لوگ بکثرت آتے ہیں اور ان میں پڑھے ان پڑھے سب[۱] شامل ہیں۔

ایک ہندو خاندان کی عقیدت تعزیہ اور امام حسین سے

چالیس پینتالیس سال قبل کا واقعہ ہے پنڈت جیالال صاحب سوپوری اسسٹنٹ انجینئر، لکھنؤ کے ایام محرم میں اہل تشیع حضرات سے کچھ کم دلچسپی نہ لیتے تھے مجلسوں میں شامل ہوتے اور تعزیوں کے ساتھ جایا کرتے تھے اور مصائب حسینؓ اور کربلا کے خونین واقعہ سے بے حد متاثر ہوا کرتے تھے۔

ان کی والدہ صاحبہ کو جنھوں نے قریباً دو سال ہوئے اسی برس کی عمر میں انتقال کیا ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ کے کئی دردانگیز نوحے یاد تھے۔ وہ اپنے اخراجات سے ایک چھوٹا سا تعزیہ بھی بنوایا کرتی تھیں[۲]

[۱] اخبار کشمیری لاہور۔ ۲۸ جنوری ۱۹۲۸ء

[۲] یہ واقعہ پنڈت جیالال صاحب سوپوری کے ہمشیرہ زادہ پنڈت لچھمی نرائن صاحب کول نے بتایا ہے۔

تعمیر مسجد کے لیئے ایک ہندو کی جدوجہد

علاقہ سرکار نظام دکن کے ایک قصبہ اجالی ہلی میں ایک سناتن دھرمی بزرگ دسیکھ۔ بنام گوبند راؤ رہتے ہیں آپ اس علاقے کے عمائدین میں ہیں۔ کئی ایک مواضعات دریائے کرشنا کے کنارے آپ کی دیسکھی میں شامل ہیں۔ اپنے مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کی معلومات بھی رکھتے ہیں۔ ہر مذہب کی کتابیں آپکے کتب خانے میں موجود ہیں۔ غیر مذاہب کے متعلق آپ کی نظر ہمیشہ غیر متعصبانہ رہی ہے۔ آپ کے قصبہ میں مسلمانوں کے لیئے کوئی مسجد نہ تھی آپ نے مسلمانوں کو خود مسجد بنانے کی تحریک کی اور اپنی ہندو رعایا سمیت عطائے اجازت کی درخواست پر نہ صرف دستخط کیئے بلکہ بذاتہ حاکم مقتدر کے پاس پہنچ کر اس کی منظوری کے لیئے کوشش کی۔ اور مسلمانوں اور معزز برادران ہنود کی معیت میں گھر گھر جاکر تعمیر مسجد کے لیئے چندہ جمع کیا اور خود بھی ایک معقول رقم دی۔ آپ کا وجود اس زمانہ پر فتن میں ایک اتحاد آموز سبق ہے اور اتفاق و امن کے ان پریشان دماغ دشمنوں کے لیئے عبرت و بصیرت کا باعث ہے جو غیر مذاہب والوں کی مذہبی آزادیوں میں محض اپنی تنگ خیالی کی وجہ سے مخل ہوتے رہتے ہیں ؎۔

ہندو راجہ نے ایک مسلمان کو پناہ دے کر اپنا سارا خاندان کٹوا دیا

حاجی الیاس کے بعد شیر خاں نے (جو بعد میں شیر شاہ کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا) جب صوبہ بہار پر دخل جما لیا اور ہمایوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تو

؎ اخبار مشرق گورکھپور یکم اپریل ۱۹۲۷ء؛

ہمایوں نے اس کے مضبوط و محفوظ قلعہ چنار گڑھ کو اس سے چھین لیا۔ شیر خاں نے اس قلعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد قلعہ رہتاس کی طرف رُخ کیا جو اس کے وطن سہسرام کے قریب تھا۔ یہ قلعہ چونکہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے لڑائی بھڑائی کے باوجود بھی لینا آسان نہ تھا۔ اس لیئے شیر خاں نے راجہ چنتا من قلعہ دار رہتاس کے پوجاری برہمن کو اپنی مظلومیت اور ہمایوں کی دست درازیوں کا واسطہ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ راجہ سے کہہ سن کر اس کے اہل و عیال کو قلعہ میں حفاظت و عزت کے ساتھ رکھے گا۔ برہمن نے شیر خاں کی حالت اور اس کی مستورات کی بے کسی کا ان الفاظ میں ذکر کیا کہ راجہ نے متاثر ہو کر ختم برسات تک شیر خاں کے متعلقین کو قلعہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔

جب شیر خاں نے سنا تو اس نے کئی سو بڑی بڑی ڈولیاں بنوائیں اور بروز مقررہ ہر ڈولی میں عورتوں کی جگہ دو دو مسلح پٹھان اور حسب قاعدہ ڈولیوں پر پردے ڈلوا کر۔ ہر ڈولی کے ہمراہ سبز ریش و بے ریش نوجوان پٹھانوں کو کنیزوں کا لباس پہنا کر قلعہ میں بھیجا۔ غرض اس تدبیر سے چھ سات سو افغان قلعہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ غریب راجہ کو خبر ہوئی تو وہ مع اپنے لڑکوں اور عزیزوں کے مہمانوں کی سربراہی اور استقبال کو باہر آیا۔ دربانوں کو حکم دیا۔ محافظوں نے دروازے کھول دیئے[1] اور سب کو اندر آنے دیا۔ جب سب اندر داخل ہو گئے۔ تو دفعتاً ڈولیوں

[1] از کتاب حیات فریاد مصنفہ خان بہادر مولانا سید محمد علی شاد مرحوم عظیم آبادی صفحہ نمبر ۵ او ۶ مطبوعہ مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۹ء

کے پردے الٹ کر یہ پٹھان دست بہ شمشیر نکل آئے۔ راجہ اور اس کے جتنے لواحق تھے سب مارے گئے اور اس طرح یہ دشوار گزار قلعہ بآسانی شیر خاں کے ہاتھ آگیا۔

مہاراجہ نابھہ کی نیک خیالی و بے تعصبی

مہاراجہ رپودمن سنگھ آف نابھہ سے جنھوں نے معزولی کے بعد اپنا نام گورچرن سنگھ رکھ لیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی نے ۲۳ مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں ملاقات کی چنانچہ وہ اپنے روزنامچہ (درویش یکم اپریل ۱۹۲۷ء کے رسالہ) میں لکھتے ہیں:-

"ڈیرہ دون میں مہارانی نابھہ نے مسلمانوں سے دو کوٹھیاں خریدی ہیں۔ ایک کا نام دارالسلام ہے۔ یعنی سلامتی کا گھر۔ دوسری کا نام الٰہی منزل ہے۔ ان کے ناموں کا ذکر آیا تو مہاراجہ نابھہ نے کہا۔ میں نے یہ دونوں نام برقرار رکھے ہیں کہ دونوں بہت اچھے اور مبارک نام ہیں"۔

اس واقعہ سے ان والیان ریاست اور ایسے اشخاص کو سبق حاصل کرنا چاہیئے جو پہلے ناموں کو صرف تعصب مذہبی اور ذاتی افتخار کی وجہ سے مٹایا کرتے ہیں۔

راجہ اُماؤں کی طرف سے نماز کا احترام

گیا کے ضلع میں اُماؤں ایک تعلقہ ہے۔ وہاں کے راجہ بہادر کی بیٹی کی شادی تھی۔ وسط مارچ ۱۹۲۶ء کا ذکر ہے کہ برات جلوس کی شکل میں شہر گیا میں داخل ہوئی۔ جلوس میں ۲۵ ہاتھی بے شمار موٹریں اور ہزارہا تماشائی تھے۔ جلوس جامع مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا۔ ایک پارٹی بھجن گا رہی تھی۔ چونکہ نماز کا وقت قریب آرہا تھا۔ اور اذان دی جانے والی تھی۔ اس لیے جب یہ پارٹی مسجد کے پاس سے گزری تو مسلمانوں نے گانے والوں کو منع کیا اور چند مسلمان راجہ صاحب کے پاس

بھی پہنچ گئے۔ راجہ صاحب برہنہ پاؤں دوڑے آئے، نمازیوں کو اطمینان دلایا اور جلوس کو ایک دوسرے رستے کی طرف لے گئے۔ اس طرح ہندو مسلمانوں میں جو بدمزگی اور کشیدگی پیدا ہونے والی تھی اسے اپنے تدبر سے روک دیا۔ مسلمانان گیا نے ایک پبلک جلسے میں راجہ بہادر ٹماؤں کی اس مذہبی رواداری کا شکریہ ادا کیا۔

سکھوں کی رواداری
مسلمانوں کے ساتھ

ملک میں بہت سے ذی فہم سکھ موجود ہیں جن کے دل اتحاد و اتفاق کے اس حیات بخش جذبہ سے خالی نہیں ہوئے، جس کا سبق آج سے چار سو سال پیشتر پنجاب کے مصلح اعظم بابا نانک صاحب نے دیا تھا۔ چنانچہ سردار خزان سنگھ صاحب کے رکن بلدیہ لاہور منتخب ہونے پر کل شہر کے سکھوں نے جب جلوس نکالا اور وہ جلوس باجہ اور ست سری اکال کے نعروں کے ساتھ بھاٹی دروازے کے اندر اونچی مسجد کے قریب پہنچا تو سکھوں کی چشم بصیرت نے مستقبل کے اوراق میں اس حقیقت ثابتہ کو مطالعہ کر لیا کہ رواداری اور اتحاد و اتفاق کے سوا ملک کا ساحل نجات پر پہنچنا اور عروس امن و آزادی سے ہم کنار ہونا ممکن نہیں تو بغیر کسی خارجی تحریک کے نہ صرف یہ کہ باجہ بند کر دیا بلکہ ست سری اکال کے نعرے بھی بند ہو گئے اور جلوس مسجد کے سامنے سے نہایت خاموشی کے ساتھ گزر گیا اور جب تک مسجد سے خاصے فاصلے پر نہ پہنچ گیا باجہ بجنا شروع نہ ہوا اس مصالحانہ طریق عمل سے نہ صرف مسلمانان بھاٹی دروازہ بلکہ شہر لاہور رکھنے

تمام مسلمان ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں[۱]:

مہاراجہ میسور کی روادارانہ تقریر جامع مسجد کے افتتاح کے موقع پر

فی الواقع ایسے ہی حکمران کامیاب و ہردلعزیز حکمران سمجھے جاتے ہیں جو اپنی تمام رعایا کا خواہ وہ کسی مذہب کی ہو دل ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ جو لوگ ہندو ریاستوں کو مسلمانوں کے خلاف اور مسلم ریاستوں کو ہندوؤں کے خلاف ابھارنے میں ہمیشہ اپنا زور قلم صرف کرتے ہیں وہ ہرگز ملک کے سچے دوست نہیں ہو سکتے ان چند سطور کے بعد ہم مہاراجہ میسور کی اس تقریر کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں جو آپ نے ۶ راپریل ۱۹۲۷ء کو میسور کی ایک عظیم الشان مسجد کی رسم افتتاح ادا کرتے ہوئے فرمائی۔ اس موقع پر مسلم باشندگان شہر کی طرف سے ہاتھی دانت اور آبنوس کے ایک مرصع صندوقچہ میں رکھ کر جسے مقامی مسلمان کاریگروں نے تیار کیا تھا۔ مہاراجہ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ مہاراجہ صاحب نے اردو زبان میں (حالانکہ انگریزی اور ہندی پر انھیں مہارت تامہ حاصل ہے) سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

"ہندوستانیوں کی زندگی میں مذہب کا عنصر بہت زیادہ نمایاں ہے اور اگرچہ وہ لوگ مختلف طریقوں سے خدا کی پرستش کرتے ہیں لیکن یہ تمام راستے بشرطیکہ ان پر ٹھیک طریقہ سے عمل کیا جائے جلد یا بہ دیر سب کو ابدی حقیقت تک پہنچا دیں گے"۔

ہز ہائی نس نے ہندوستان کے فرقہ وار جھگڑوں پر اظہار افسوس کیا اور فرمایا کہ

---

[۱] اخبار زمیندار لاہور - ۲۶ راپریل ۱۹۲۷ء

اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ بجائے اصل شے کی متابعت کرنے کے محض اس کے سایے کی پیروی کرتے ہیں۔" آپ نے امید ظاہر کی کہ "جدید جامع مسجد فرقہ دارانہ تعصب و رقابت کے جذبات کو دبانے میں بہت زیادہ مفید ثابت ہوگی۔"

سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مہاراجہ بہادر نے فرمایا کہ "انھیں اس مسجد سے دلچسپی ہونے کے ذاتی اور خاندانی وجوہ ہیں جب ۱۷۹۹ء میں حکومت کے مرکز کو سرنگاپٹم سے منتقل کر کے شہر میسور میں لایا گیا تھا تو اس وقت شہر میں کوئی جامع مسجد موجود نہیں تھی۔ اس لیے مسلمان باشندوں کی درخواست پر میرے جدامجد نے ایک جامع مسجد تعمیر کی جس کی مرمت و درستی۔ نیز غربا کی امداد کے لیے ان کی طرف سے ایک کافی رقم بھی مقرر کر دی گئی تھی لیکن جوں جوں آبادی بڑھتی گئی مسجد ناکافی ثابت ہوتی گئی۔ بلکہ مرور زمانہ کے باعث اس کی حالت نہایت ہی ابتر ہو گئی۔ اب یہ مسجد ریاست کے انجنیروں کے ذریعہ اور ریاست کے ۸۳ ہزار روپے کی لاگت سے دوبارہ درست ہو گئی ہے۔"

مہاراجہ میسور کی یہ رواداری عین سیاست ہے اور ان کے قیمتی خیالات خواہ وہ کسی زبان میں ظاہر کیے جاتے ہر حال میں اپنے معانی و مطالب کے لحاظ سے قابل قدر ہیں۔ لیکن ان کی قدر و قیمت مسلمان سامعین کے دلوں میں مہاراجہ کے اس رویّہ سے کہ وہ اردو زبان میں ادا کیے گئے تھے بہت کچھ بڑھ گئی تھی۔

راجہ مان سنگھ کی عقیدت مندی ایک مسلمان فقیر سے

راجہ مان سنگھ اکبر کا رشتہ دار ہونے کے علاوہ اس کے معتمدان خاص میں تھا اور اپنی فقیر دوستی

کی وجہ سے اُن خاکساران جہاں کو بہ نظر حقارت نہ دیکھتا تھا جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ۔ ع

توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

بلکہ ایسے اللہ والوں کی خدمت گزاری اپنی سعادت سمجھتا تھا اور اپنی وسیع القلبی کی وجہ سے جہاں کسی باخدا بزرگ کی شہرت سنی خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان خود سبقت کرکے دوڑا چلا جاتا اور اس کے برکات انفاس سے مستفیض ہوتا

ایک دفعہ بنگالے کی پُرشور مہم سامنے تھی۔ ڈیرے۔ خیمے۔ لاؤ۔ لشکر سب ہی کچھ ساتھ تھا۔ ہزار ہا ماوراءالنہری ترک اور ایرانی شمشیر زن ماتحت تھے۔ مگر شاہ دولت نام ایک اللہ والے کا آوازۂ کمال سنتے ہی راجہ صاحب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہیں جا حاضر ہوئے ؎

فقیر خانے کے دیکھو تکلفات آکر

کہ فرش خاک بھی ہے اس پہ بوریا بھی ہے

شاہ صاحب بھی ایسے فقیر طبع امیر سے مل کر شاد ہوئے اور راجہ صاحب بھی شاہ صاحب کے پاکیزہ خیالات سن کر انھیں کا دم بھرنے لگے۔ دونوں طالب و مطلوب۔ مرغ و مرنجاں "ارتباط باہمی" کا ایک نمونہ تھے۔ ایک دن شاہ صاحب نے کسی بات پر خوش ہو کر فرمایا۔ راجہ جی! تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے ؟ راجہ نے اسی وقت مسکرا کر جواب دیا۔ "پیر و مرشد کیا عرض کروں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (الخ) یعنی کیا کروں۔ خدا کی مُہر دل پر لگ چکی ہے۔ بندہ کیونکر اٹھائے ؟ کہ گستاخی ہے۔ اے سبحان اللہ۔

لہ از رسالہ آفتاب جھالراٹپن بعد میں لاہور۔ بابت ماہ فروری ۱۹۲۶ء

ایک ہندو مدارالمہام کی عقیدت مندی ایک مسلمان عالم دین سے

چونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر پنڈت بیربر اور اس کے بیٹے راجہ کاک وغیرہ کی سعی و رہنمائی سے تسلط جمایا تھا اس لیے سکھوں کے ابتدائے عہد حکومت میں ان دونوں باپ بیٹوں کا کشمیر میں خوب طوطی بولتا رہا۔ اس زمانہ میں ناظم کشمیر کے مدارالمہام راجہ کاک تھے۔ ان کی کچہری میں ایک مسلمان کے خلاف کسی ہندو نے ایک سنگین مقدمہ دائر کر رکھا تھا اور اس کو ناحق پھنسانے کے لیئے مدارالمہام پر بہت اثر ڈال رہا تھا۔ مسلمان بیچارا اپنی بے گناہی کے باوجود سہما جا رہا تھا۔ اسی حالت امید و بیم میں وہ مولانا شیخ احمد تارہ بلی کے پاس پہنچا اور ان سے اپنے مقدمہ کی تمام کیفیت بیان کی۔ جب مولانا کو اس کی بے گناہی کا یقین ہو گیا تو انھوں نے مدارالمہام کے نام ایک سفارشی رقعہ مضمون ذیل کا لکھا :-

"پنڈت راجہ کاک !

خلق خدائے را میازار۔ حاجت سائل بر آر۔ تا برہی از عذاب نار"

راقم احمد "تارہ بلی[1]"

جب راجہ کاک کو یہ رقعہ ملا تو فرط عقیدت و محبت سے اس کو بار بار چوما۔ سائل سے اس کے مقدمہ کے تمام حالات سنے اور اس کو اس جھوٹے مقدمہ کی مصیبت سے نجات کی خوشخبری سنا کر کہا کہ شیخ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے عاجزانہ عرض و تسلیمات بجا لانا۔

کیا آج بھی اس آزادی و جرات اور اس عقیدت و محبت کی مثالیں

---

[1] تارہ بل سری نگر کشمیر کا ایک مشہور محلہ ہے۔

ل سکتی ہیں؟

مسلمانوں کی خاطر سؤر کا گوشت کھانا ترک کر دیا

حکیم برہم مرحوم جو گورکھپور کے نامی طبیب اور بہت بڑے شاعر و ادیب تھے اور اخباری دنیا میں ایڈیٹر مشرق ہونے کی وجہ سے مشہور رہے۔ ۲۶ر جنوری ۱۹۲۷ء کے مشرق میں اپنے عنفوان شباب کے زمانہ کے پاکیزہ خیالات میں والیان ریاست کا تذکرہ کرتے ہوئے ریاست دیواس (راجپوتانہ) کے فرمانروا کا ایک واقعہ ذیل کی سطوریں میں لکھتے ہیں:۔

"۱۸۸۴ء کا واقعہ ہے۔ جب ہم اپنے ماموں صاحب مرحوم کے ساتھ ریاست دیواس میں تھے۔ اس وقت وہاں کی بڑی پانتی کے حکمران مہاراجہ کرشنا راؤ پنوار تھے۔ جن کو مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسی ہی محبت تھی جیسی ہندوؤں کے ساتھ تھی۔ انھوں نے محض اپنی مسلمان رعایا کی تالیف قلوب کی وجہ سے سؤر کا گوشت کھانا کیا شکار کرنا بھی ترک کر دیا تھا۔ ہندو مسلم کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنے کے ان مہاراجہ کے عجیب و غریب واقعات مشہور رہیں۔"

مہاراول ڈونگر پور کی طرف سے مسلمانوں کی دعوت

مدیر مشرق حکیم برہم مرحوم اپنے ۲۶ر جنوری ۱۹۲۷ء کے پرچہ میں صفحہ نمبر ۱۶ پر ارقام فرماتے ہیں:۔

"۱۸۸۶ء کے آخر میں ہم ڈونگر پور سٹیٹ (راجپوتانہ) میں اپنے استاد معظم اور خالوئے محترم کے ساتھ گئے تھے۔ ہز ہائی نس سری مہاراول اودے سنگھ بہادر نے ہم کو کھانے پر یاد فرمایا۔ ہمارے علاوہ اور بھی کئی مسلمان تھے۔ سری مہاراول صاحب والی ریاست

ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ سے اقسام کا کھانا چُنتے تھے ہم ان کو اپنے قریب دیکھتے تھے تو برفی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر کھا لیتے تھے۔ آخر انھوں نے اپنی فراست سے تاڑ لیا کہ ہم کچھ نہیں کھاتے ہیں۔ مگر کچھ فرمایا نہیں۔ دوسرے دن جناب ماموں صاحب مرحوم سے فرمایا" چھوٹے حکیم جی نے رات کو کچھ کھانا نہیں کھایا"۔ ماموں صاحب مرحوم نے عرض کیا۔" اس کو یہ خیال ہوگا کہ ان برتنوں میں شکار کا گوشت پکتا ہے اور یہ ناپاک ہیں۔ اس پر ہز ہائی نس مہارادل نے فرمایا کہ بیشک یہ خیال صحیح ہے۔ اچھا اب میں کسی مسلمان کے یہاں کے برتنوں میں کھانا پکوا کر اُن کی دعوت کروں گا"۔

بگھیل کھنڈ کے ایک ہندو والیٔ ریاست کی مسلم نوازی

راقم السطور ۱۹۰۴ء میں ایک مرتبہ ریاست سیہر میں تھا جو نوگاؤں ایجنسی میں ریزیڈنسی اندور کے ماتحت ہے۔ راجہ صاحب کے محلات قلعہ کے اندر تھے جہاں اپنے مسلمان ملازمین کی خاطر انھوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کی ہوئی تھی اور ہر روز نماز ظہر کے لیے مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے لیے چھٹی دی جاتی تھی۔ راجہ صاحب کا نام راجہ رگھبیر سنگھ تھا۔ عمر ان کی ساٹھ ستر سال کے قریب تھی۔ ڈاڑھی لمبی اور سفید تھی اور چہرے پر نور برستا تھا۔ عموماً رات کو اور کبھی کبھی دن کو بھی دربار کیا کرتے تھے۔ ایک شب مجھے یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا۔ اور ان کے حکم سے ایک جانب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا" اگر آپ کو مذہباً کوئی اعتراض نہ ہو تو کیا میں عطر و پان اپنے ہاتھ سے پیش کر سکتا ہوں؟" میں نے کہا" مذہباً کوئی اعتراض نہیں لیکن پان کھانے کی عادت

نہیں ہے" فرمایا "ہماری خاطر سہی" چنانچہ میں ان کی مسند کے پاس گیا اور ان کے ارشاد کی تعمیل کے بعد۔ واپس آ گیا۔

اسی طرح ایک دن پانچ چھ بجے کے قریب ایک پُر فضا اور سایہ دار مقام پر دربار کیا۔ آپ قلعے سے ہمیشہ پالکی پر سوار ہو کر نکلا کرتے تھے۔ مجھے بھی یاد کیا اور سواری کے لیے گھوڑا بھیجا۔ یہ مقام قلعہ سے کوئی پون میل کے فاصلہ پر تھا۔ میں گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اسی اثنا میں آپ کو پیاس لگی حکم دیا۔ پانی لاؤ۔ میرے پاس ریاست کے میر منشی اور وزیر صاحب بیٹھے تھے۔ انھوں نے مجھے آہستہ سے کہا" آپ ذرا "جاجم" سے اِدھر ہو جائیں" راجہ صاحب نے سن لیا۔ فرمایا۔ آپ بیٹھے رہیئے اور جب خادم پانی کا کٹورا لے کر آیا تو خود جاجم سے الگ ہو کر پانی پیا اور فرمایا۔

"اپنے اپنے مذہب پر سب کو پختگی سے قائم رہنا چاہیئے۔ البتہ جو مذہب نفرت اور عداوت سکھاتا ہے وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں۔ بلکہ انسانوں کا بنایا ہوا ایک خود غرضانہ ڈھکوسلا ہے"۔ اس پر میں نے ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پڑھا۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

ایک دفعہ ان ہی راجہ صاحب نے اپنے میر منشی (لالہ سارداپرشاد) کو حکم دیا کہ یہ صاحب زادہ علم دوست نوجوان ہیں ان کو ہماری لائبریری کی سیر کراؤ۔ میں میر منشی صاحب کے ہمراہ سرکاری کتب خانہ میں گیا۔ پہلے وہ کمرہ دیکھا جہاں سنسکرت اور ہندی کی کتابوں کا مطبوعہ و غیر مطبوعہ لاجواب ذخیرہ تھا۔ پھر میر منشی مجھے ایسے دو کمروں میں لے گیا جہاں عربی۔ فارسی اور

اردو کی کتابیں مختلف الماریوں کی زینت تھیں۔

ریاست میں گائے کے گوشت کے ساتھ سور کے گوشت کی بھی ممانعت تھی۔ راجہ صاحب فرماتے تھے "حکمراں کا کوئی مذہب نہیں ہونا چاہیئے اس کا مذہب عدل وانصاف ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جب ہندوؤں کی خاطر ہم ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کر دیں تو مسلمانوں کے لیئے سور کے گوشت اور سور کے شکار کی کیوں ممانعت نہ کریں۔

مہارانا صاحب دھول پور اور ایک مسلمان فقیر

چھنگا شاہ مرحوم مولانا حافظ حاجی سید وارث علی شاہ (دیوا شریف ضلع بارہ بنکی) کے فقیر تھے اور ریاست گوالیار کے ایک مقام پر کٹیا بنا کر رہا کرتے تھے۔ موجودہ ہز ہائی نس مہارانا دھول پور کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ لیکن چھنگا شاہ صاحب کے پاس اس طرح جایا کرتے تھے کہ نہ مہاراجہ گوالیار کو خبر ہونے پاتی تھی اور نہ چھنگا شاہ صاحب کو اطلاع دی جاتی تھی کہ آپ مہارانا دھول پور ہیں۔ چھنگا شاہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ہز ہائی نس خود بھی اس شعر کو اکثر پڑھتے رہتے تھے ؎

رحم اس کا ہر گھڑی درکار ہے
گر کرم کر دے تو بیڑا پار ہے

ایک دن شام کو ہز ہائی نس مہارانا صاحب موٹر پر پہنچے۔ جب واپس آنے لگے تو چھنگا شاہ نے کہا "آج رات یہاں ہی رہ جاؤ۔ صبح چلے جانا" چونکہ غیر ریاست میں قیام شب دور اندیشی کے خلاف تھا اس لیئے مہارانا عذر کر کے چلے آئے۔ بعد میں ہز ہائی نس کو جب معلوم ہوا کہ چھنگا شاہ کا ان کے آنے کے بعد صبح کو انتقال ہو گیا تو وہاں قیام نہ کرنے پر بہت ملال

کرتے رہے اور کچھ تعجب نہیں اگر ہز ہائی نس وہاں رہ جاتے تو بہت بڑا روحانی فائدہ حاصل کرتے ۔

ہز ہائی نس نے بعد میں ایک ہزار روپیہ چھپنگا شاہ صاحب مرحوم کا مزار بنوانے کے لیئے دیا دیہ اوائل ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے۔[۱]

ایک ہندو راجہ نے ایک مسلمان فقیر کا عالی شان مزار بنوایا

عباس بن علی بن نورالدین المکی الموسوی نے ۱۱۳۳ھ سے لے کر ۱۱۳۹ھ تک ہندوستان کے مختلف مقامات ۔ گجرات ۔ کاٹھیاواڑ ۔ بڑودہ ۔ برہانپور وغیرہ کی سیر کی اور ایک سفرنامہ بھی لکھا جس میں ہندوستان کے علاوہ ایران و یمن کے حالات بھی تھے ۔ یہ سفرنامہ بزبان عربی ۱۲۹۳ھ میں بنام نزہتہ الجلیس مصر کے مشہور مطبع وہبیہ میں چھپ چکا ہے ۔

سیاحت گجرات ۔ کاٹھیاواڑ کا ذکر کرتے ہوئے سیاح مذکور لکھتا ہے :۔

" ۱۲ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ کو میں دیوگڑھ چاندہ سے ملک باگڑھ کی طرف روانہ ہوا ۔ اس علاقے میں شیر بہت ہوتے ہیں اور یہاں باگڑ بھی شیر ہی کو کہتے ہیں " اس کے بعد وہ ایک اور شہر عالی جہان کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے متعلق لکھتے ہیں ۔ وہ سر بفلک پہاڑوں اور بلند درختوں سے گھرا ہوا شہر سورت سے پندرہ دن کے فاصلہ پر ہے ۔ ہم شعبان (۱۱۳۴ھ) کے اخیر میں وہاں پہنچے ۔ ہم نے یہاں ہر گلی کوچے میں مور بکثرت اور آزادانہ پھرتے ہوئے دیکھے ۔ یہاں کے راجہ کا نام دولی سنگھ

[۱] از اخبار مشرق ۔ گورکھپور ۲۴ مارچ ۱۹۲۷ء

ہے جو اپنی تعلیم اور اپنے اعمال کی وجہ سے باطن میں مسلمان اور ظاہر میں کافر ہے۔

راجہ ڈولی سنگھ ایک فقیر مسمی شاہ غریب سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ ایک دفعہ فقیر صاحب نے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ راجہ نے فرط عقیدت و محبت سے انکار کر دیا لیکن آخر شاہ غریب کے اصرار بے حد پر راجہ نے اجازت دے دی۔ جب وہ روانہ ہو گیا تو راجہ نے اپنے چند آدمی فقیر کے عقب میں بھیجے کہ جس طرح ممکن ہو انھیں مراجعت پر آمادہ کر کے آگے نہ جانے دیں اور واپس لے آئیں۔ راجہ کے آدمی گئے۔ انھوں نے واپسی کا تقاضا کیا۔ بات بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ تلوار چل گئی اور شاہ غریب شہید ہو گئے۔

راجہ کو اس الم ناک واقعہ کی خبر ہوئی۔ اپنی اور اپنے آدمیوں کی حرکت پر بہت نادم ہوا اور بے حد افسوس کیا۔ ان کی لاش ادب و احترام کے ساتھ واپس منگوائی اور ان کا ایک عالیشان مزار تعمیر کرایا۔ راجہ کی طرف سے اس مزار کے ساتھ معافیات کا سلسلہ ہے اور قندیل۔ لنگر اور فندقوں میں بہت روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔[1]

ایک مسلمان بزرگ کے مزار پر ہندو مجاور

منشی سجان رائے بٹالوی عہد عالمگیری کے نامور مورخ گزرے ہیں۔ انھوں نے اپنی تاریخ[2] میں

---

[1] از اخبار کشمیری لاہور ۲۱ اگست ۱۹۲۷ء بحوالہ رسالہ زبان مانگرول۔ کاٹھیاواڑ۔

[2] اس تاریخ کا نام خلاصۃ التواریخ ہے جس کے حوالے اکثر انگریز اور مسلمان مورخین ہند نے اپنی تصانیف میں دیئے ہیں میں نے خلاصۃ التواریخ سب سے پہلے غیر مطبوعہ (قلمی) پڑھی تھی بسنہ ۱۹۰۶ء میں۔ اب یہ طبع بھی ہو چکی ہے۔ یہ تاریخ سنہ ۴۰ جلوس عالمگیری یعنی ۱۱۰۷ھ مطابق ۱۶۹۵ء/۱۶۹۶ء میں لکھی گئی۔

صوبہ لاہور کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں اور اس صوبے کے مشہور مقامات میں بٹالہ کو (اپنا وطن ہونے کی وجہ سے) بہت اہمیت دی ہے۔ اور بٹالہ کے حالات خوب مزے لے کر لکھے ہیں۔ ان ہی حالات میں وہ ایک موضع دیپالی وال کا ذکر کرتے ہیں جو کلانور کے متصل آباد ہے اور جہاں شاہ شمس الدین دریائی کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ہندو مسلمان اس کے بہت معتقد تھے لیکن ایک ہندو ڈیپالی[1] نام اپنی عقیدت وارادت میں تمام ہندو مسلمانوں پر سبقت لے گیا تھا۔ چند سال کے بعد جب شاہ دریائی کا انتقال ہو گیا تو ہندو مسلمانوں کے اتفاق سے ان کا سب سے پہلا مجاور و متولی۔ دیپالی ہی قرار پایا جو مذہبًا مسلمان نہیں تھا"

مصنف خلاصۃ التواریخ لکھتا ہے :۔ "جمعہ کی ہر رات اور خصوصًا چاند کی ہر پہلی شب جمعہ کو اس مبارک مزار پر انبوہ کثیر آتا ہے جس میں ہندو مسلمان۔ مرد۔ عورتیں سب شامل ہوتے ہیں اور نقد و جنس۔ دودھ۔ چاول تیل۔ شکر وغیرہ بطور نذر لاتے ہیں"

مصنف مذکور اپنے عہد یعنی اورنگ زیب کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔ "مسلمان اولیاء کے مزاروں پر متولی۔ سجادہ نشین اور مجاور عام طور پر مسلمان ہوتے ہیں لیکن اس مزار پُر انوار پر خدمت و مجاوری کے لیئے دیپالی مذکور کی اولاد تا حال قابض و متصرف ہے۔ چند سال ہوئے مسلمانوں نے ہندو مجاوروں کو علیحدہ کرنے کی بہت کوشش

---

[1] اسی ہندو کے نام پر موضع دیپالی وال آباد ہے"

کی۔ یہاں تک کہ اپنے مذہبی دعاوی بھی بیان کیے۔ لیکن عالمگیری حکومت کے عمال نے ان کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ آج دوران تصنیف کتاب ۱۹۲۸ء سال جلوس عالمگیری ہیں۔ یہی ہندو جماعت اس مزار کی مجاور ہے۔"

ایک ہندو کی طرف سے روزہ کی افطاری وسحری کا انتظام

اس نازک زمانہ میں جب کہ مختلف مذاہب کے پیرو ایک دوسرے کے عقائد کا مضحکہ اڑا رہے ہیں اس قسم کے نیک دل، نیک طبع اور بے تعصب افراد کا وجود بسا غنیمت ہے جیسا کہ پلول ضلع گوڑگانوہ میں لالہ منولال بینکہ کا نام دہلی کے اخبار منادی میں پڑھا گیا ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ:۔

"مسرت کی ایک تقریب پر خواجہ حسن نظامی مع چند اور مسلمانوں کی لالہ منولال بینکہ کے ہاں مدعو تھے۔ چونکہ رمضان کا مہینہ تھا اور سب لوگ روزہ سے تھے۔ اس لیے لالہ صاحب نے مسلمانوں کے روزہ کی افطاری کا سامان مکلف جمع کر رکھا تھا اور سحری کا انتظام تو افطاری سے بھی اچھا تھا۔"

اسی قسم کی رواداریاں ہندو مسلم تعلقات کو بہتر بنا سکتی ہیں۔ کاش مذاہب وعقائد کا تمسخر اڑانے اور ایک دوسرے کے بزرگان دین کی بے حرمتی کرنے والے شریر الطبع لوگ ایسے نیک دل لوگوں کی پیروی کر سکیں۔

ہندو بھائیوں کی خاطر مسلمانوں نے گاؤکشی بند کر دی

بنگال میں حسن پور ایک قصبہ ہے۔ وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ ہندو نسبتاً کم ہیں۔ لیکن ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا خیال رکھتے ہوئے مسلمانوں نے وہاں گائے ذبح کرنی بند کر دی۔ چنانچہ سید میر جعفر حسین آنریری مجسٹریٹ اور میر سید حسین

لہ از اخبار کشمیری لاہور۔ ۱۴ر مارچ ۱۹۲۹ء

اور دیگر معززین قصبہ گئو رکھشا سبھا بھگوت بھگتی آشرم رام پور کے جلسہ میں گئے اور انھوں نے اس جلسہ میں اعلان کیا کہ ہم آج کی تاریخ سے صرف اپنے ہندو بھائیوں کے جذبات کی خاطر کیونکہ وہ گائے کو مقدس تصور کرتے ہیں اپنے قصبہ میں گاؤکشی (ذبیحہ گاؤ) ہمیشہ کے لیے بند کرتی ہیں[۱]

سندھ اور لنکا کے قدیم ہندو راجگان کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ

۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء میں بعہد خلیفہ ولید حجاج بن یوسف۔ عراق۔ ایران۔ مکران اور بلوچستان کا نائب مقرر رہا۔ اس نے ہندوستان اور اس کے ملحقہ جزیروں کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے شروع کیے۔ عرب تاجر ہندوستان آتے تھے مگر یہاں کے اکثر ساحلوں پر بحری قزاق ان کے جہازوں پر ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لنکا میں چند عرب سوداگروں کا انتقال ہو گیا۔ لنکا کے راجہ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز پر سوار کر کے اپنے خرچ پر عراق روانہ کر دیا۔

۹۶ھ میں ولید کی وفات کے بعد سلیمان نے اپنی ذاتی کدورت کی بناء پر حجاج کے مقرر کردہ دیگر افسروں کے ساتھ محمد بن قاسم فاتح سندھ کو بھی سندھ سے واپس بلوا کر قتل کرا دیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب قاسم سندھ سے واپس جانے لگا تو رعایائے سندھ نے جس کا بیشتر حصہ اس زمانہ میں برہمنوں اور بدھ مذہب کے پیروؤں کا تھا اپنے نیک دل فاتح کی جدائی میں آنسو بہائے اور اس کی یاد میں اس[۲] کا مجسمہ کھڑا کیا۔

---

[۱] از ملاپ ۱۶ مارچ ۱۹۳۵ء و اروڑونش سدھارک۔ ۲۴ مارچ ۱۹۳۵ء

[۲] تاریخ فتوح البلدان بلاذری۔ باب فتح سندھ

فتوح البلدان بلاذری میں یہ بھی مذکور ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ کی وفات (۲۳۷ھ) کے بعد سلطنت بغداد کے کمزور ہو جانے پر جب ہندوستان کے اسلامی مقبوضات میں سے صرف ملتان اور منصورہ (سندھ) کی دو ریاستیں مسلمانوں کے پاس رہ گئیں اور باقی سب ہندو راجاؤں نے لے لیں تو ہندوؤں نے اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا اور ان کی مسجدوں کو اسی طرح برقرار رہنے دیا۔

جہانگیر کے بیٹے کی بغاوت پر جہانگیر کی ہندو رانی کی خودکشی

جہانگیر کی ایک رانی راجہ مان سنگھ کی بہن تھی جس کو مان بائی یا جے پوری رانی کہتے تھی خسرو اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ خسرو کو اس کا ماموں راجہ مان سنگھ اور اس کا خسر خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش بغاوت پر آمادہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن شہزادہ کی ماں جے پوری رانی اپنے بھائی اور اپنے بیٹے کو اس سرکشی سے منع کرتی رہتی تھی مگر دونوں پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ آخرکار "از غیرتے کہ لازمۂ طبیعت راجپوتانی است خاطر بر مرگ خود قرار داده روز بست و ششم ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ میان بسیار در عین شورش وماغ خورده در اندک زمانے درگزشت۔" (توزک جہانگیری صفحہ نمبر ۱۶)

جہانگیر کو رانی کی خودکشی سے اس قدر صدمہ پہنچا کہ اس نے چار دن اور چار رات تک کھانا نہ کھایا۔ وہ اپنی اس بے قراری کا ذکر خود اپنی تزک میں تفصیل سے کرتا ہے۔

تمتہ عطیہ مولانا محمد عبداللہ صاحب قریشی

ہندو رعایا سے بدظن کرنے والے ایک مسلمان کو محمد تغلق نے پھانسی چڑھا دیا

تاریخ فیروز شاہی میں مذکور ہے کہ ایک دن محمد تغلق دربار لگائے بیٹھا تھا کہ ایک شخص جو شکل و صورت

سے بزرگ معلوم ہوتا تھا دربار میں داخل ہوا اور چھوٹتے ہی بادشاہ سے کہنے لگا

"غافل کس نیند پڑا سوتا ہے۔ دولت آباد کے ہندو تمھارے خلاف

سازش کا جال پھیلا رہے ہیں اگر حکومت اور سلامتی جان کی خواہش

ہے تو اس قوم کو ٹھکانے لگا دو"

محمد تغلق نے کہا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا غلط اور محض غلط لیکن نو وارد اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس پر محمد تغلق نے کہا۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں بلا تحقیق و بلا ثبوت ایک قوم کی قوم کو نیست و نابود کر دوں؟! وہ شخص خاموش ہو رہا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ محمد تغلق نے تحقیقات کی ہوگی۔ سازش کا الزام پایۂ تحقیق تک نہ پہنچا ہوگا۔ اسی لیئے بقول صاحب تاریخ فیروز شاہی اس نے علمائے دین سے فتوے طلب کیا کہ جو شخص بادشاہ کو بے گناہوں کے خون ناحق پر اکسائے اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے؟ علماء نے اس کو واجب القتل قرار دیا۔ اور وہ شخص سُولی پر چڑھا دیا گیا۔

مسلمان فاتح کا ہندو مفتوح کے ساتھ سلوک

علاؤالدین خلجی کے سپہ سالار نواب محبوب خاں جیسلمیر کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ مگر باوجود اس کے کہ فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے اور محاصرہ کئی سال تک جاری رہا قلعہ فتح نہ ہو سکا جب اہل قلعہ سخت تنگ آ گئے تو رانا مولراج کے بھائی رتن داس نے اپنے دو لڑکوں (گوابسی وکنور) کو فاقوں سے بچانے اور سلامتی سے باہر نکل جانے کے لیئے نواب سے اجازت مانگی۔ نواب نے اپنے آدمی راج ڈلاردں کو لانے کے لیئے بھیج دیئے اور جب وہ آئے تو خود ان کا استقبال کیا اور نہ صرف ان کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کے لیئے دو برہمن بھی مقرر کر دیئے۔ ان لڑکوں نے جوان ہو کر بادشاہ دہلی کی عظیم الشان خدمات انجام

دیں۔ بادشاہ نے ان خدمات سے خوش ہو کر جیسلمیر کی ریاست انھیں کو واپس کر دی۔

ملتان میں شاہان مغل کی معافیاں ہندو منادر کے لیئے

لالہ بالکشن صاحب بترہ بی۔ اے وکیل تاریخ ملتان کے صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہیں ا۔

عالمگیر نے ملتان کے مشہور مندر تو تلا مائی کے لیئے ایک سو روپیہ سالانہ کی معافی مقرر فرمائی جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ تک جاری رہی۔

اسی تاریخ کے صفحہ ۹۷ پر مذکور ہے ا۔ ملتان کے مندر رام چوترہ (جو برلب دریائے راوی واقع ہے) کے لیئے اکبر اعظم نے بہت سی زمین بطور معافی عطا کی جو اب تک جاری ہے ؎

غزنوی اور خلجی بادشاہوں کی ہندو فوجیں

سلطان محمود کے زمانہ سے ہندو فوجیں بھرتی کی جاتی تھیں۔ سلطان مسعود غزنوی کے عہد میں سندر سپہ سالار کی وفات پر تلک کو ہندو فوجوں کا افسر بنا دیا جاتا ہے اور نیال تگین والئ ہند کی سرکوبی کے لیئے جس نے بغاوت کا اعلان کر دیا تھا ہندوستان بھیجا جاتا ہے۔ اسی عہد میں ایک فوج ہندوؤں کی کرمان میں متعین کی جاتی ہے غلاموں کے زمانے میں بھی اسلامی فوجوں کے ساتھ ساتھ ہندو فوجوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ملک چھجو والئ اودھ کی فوج جس نے جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے مقابلہ میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا تھا۔ زیادہ تر ہندوؤں ہی سے بھرتی کی گئی تھیلہ۔

لہ از رسالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت نومبر ۱۹۲۹ء از مضمون حافظ محمود شیرانی صاحب بی۔ اے صفحہ نمبر ۳۱ و ۳۲ ؎

تاریخ حریتِ اسلام تیسرا ایڈیشن

اس قدر ضخیم کتاب کا چند ماہ کے اندر ایک ایڈیشن ختم ہو کر دوسرا ایڈیشن چھپنے سے پیشتر ۵-۶ سو کے قریب درخواستیں آجائیں اور اب تیسرے ایڈیشن کی نوبت پہنچے اس سے زیادہ اس کی مقبولیت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ یہ فخر صرف تاریخ حریت اسلام ہی کو ہے جس میں زمانہ رسالت۔ عہد خلافت۔ خلفائے بنی امیہ و عباسیہ۔ عہد بنی بویہ و سلجوقیہ دولت ہسپانیہ و غزنویہ کے علاوہ ترکی۔ مصر۔ الجزائر و مراکش اور فرمانروایان ہند و خاندان افاغنہ۔ غلامان و عہد مغلیہ وغیرہ اور مسلمان بادشاہان دکن۔ سندھ گجرات۔ کشمیر کے عہد ہائے گزشتہ کے راست باز حق گو۔ حق پرست بزرگوں کے حیرت خیز و جرأت آفریں اور ولولہ انگیز استقلال اور جوش و ایثار کے حریت آموز حالات اور عدل و انصاف۔ حریت و مساوات۔ خدا ترسی و پاکیزہ نفسی کے حامی بادشاہوں کے سبق آموز واقعات کے علاوہ پرستاران حق و صداقت اور فدایان مذہب و ملت عورتوں کے سوانح عمر درج ہیں تیسرا ایڈیشن ساڑھے ۳ سو صفحات سے زائد مجلد ہے ملک کے نامور علم دوست اصحاب۔ ممتاز لیڈروں اور قومی و اسلامی اخبارات نے اس کی متعلق جو رائیں ظاہر کیں وہ مصنف کیلئے لائق فخر و عزت ہیں۔ یہ تاریخ قومی و اسلامی مدارس میں بطور انعام دی جاتی ہے بعض میں بطور نصاب داخل ہے اور بعض میں سپلیمنٹری ریڈر کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ پبلک اسلامی و قومی لائبریریوں نے اس کو خریدا ہے اور سررشتہ تعلیم پنجاب نے سکولوں اور لائبریریوں کے لیئے اس کے خریدنے کی سفارش کی ہے قیمت تین روپے۔ خرچ ڈاک ۶ر کل ۳ روپے (منگانے کا پتہ)

ظفر برادرس تاجران کتب ظفر منزل لاہور

(ہندوستان پریس لاہور میں چھپی)